مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر مسئول
(مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مدیر
ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۲۱ | صفر المظفر ۱۴۴۲ھ | اکتوبر ۲۰۲۰ء | شمارہ ۹

الاتمام لنعمۃ الاسلام

خصوصیات اسلام۔ حصہ اوّل

ازافادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات و حواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ =/۴۰ روپے
زر سالانہ =/۴۰۰ روپے

ناشر: (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی
مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس
۲۰/۱۳ ریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور
مقام اشاعت
جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ لاہور پاکستان

ماہنامہ الامداد لاہور

35422213
35433049
پتہ دفتر
جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ
۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

وعظ

الاتمام لنعمۃ الاسلام

(خصوصیات اسلام۔ حصہ اوّل)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے اب سے سو سال قبل یہ وعظ قصبہ ریواڑی میں مولوی عبدالرحیم صاحب کے مکان پر کرسی پر بیٹھ کر بروز بدھ ۲۰ شوال ۱۳۴۱ھ کو ارشاد فرمایا۔ تین گھنٹے ۲۵ منٹ تک بیان جاری رہا۔ سامعین کی تعداد تقریباً ایک ہزار تھی۔ وعظ میں اسلام کی خوبیوں کو بیان کیا گیا ہے اور غیر مسلموں کے طور طریق سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے مذکورہ آیت پر اسی نام سے دو وعظ اور ہیں جن کو اس کے بعد طبع کیا جائے گا۔ مولوی اطہر علی صاحب سلہٹی رحمہ اللہ نے اسے قلمبند فرمایا۔

یہ وعظ جن کے گھر میں بیان کیا گیا اور جنہوں نے قلم بند فرمایا اللہ تعالیٰ ان کے لیے اس کو صدقہ جاریہ بنائے اور تمام قارئین کو اس سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

قابل توجہ:

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا مذکورہ وعظ کافی طویل ہے جو تقریباً ۹۰ صفحے سے بھی زائد بنتا ہے، محکمہ ڈاک کی طرف سے وزن کی زیادتی کی بناء پر وعظ کی ترسیل کی اجازت نہیں بنا بریں اس وعظ کو دو حصوں میں طبع کیا جا رہا ہے۔ آئندہ کسی ماہ اگر وعظ چھوٹا ہوگا تو ایک ہی دفعہ طبع کر دیا جائے گا، اگر طویل ہوگا تو دو حصوں میں طبع کر دیا جائے گا۔

خلیل احمد تھانوی

بروز منگل ۶۔ ذی الحجہ ۱۴۴۱ھ

الاتمام لنعمۃ الاسلام
(خصوصیات اسلام) حصہ اوّل

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱.....	امتنان نعمت.....	۷
۲.....	دین کی ناقدری.....	۹
۳.....	صحابہ کا حال.....	۱۰
۴.....	ہماری حالت کی مثال.....	۱۱
۵.....	ترقی مطلوب.....	۱۲
۶.....	دنیا وآخرت کی مثال.....	۱۳
۷.....	مذاق کا بگاڑ.....	۱۴
۸.....	محافظتِ دین.....	۱۵
۹.....	مسلم کی داخلی قوت.....	۱۷
۱۰.....	قوت اسلام.....	۱۸
۱۱.....	کید نفس.....	۲۰
۱۲.....	مؤمن وکافر میں فرق.....	۲۲
۱۳.....	صرف ہمت.....	۲۳
۱۴.....	بزرگی کے معنی.....	۲۳

۱۵..... شیوخِ محققین کی وصیت..... ۲۴
۱۶..... جوش وہوش..... ۲۶
۱۷..... مولویوں کے فتویٰ کفر دینے کی حقیقت..... ۲۸
۱۸..... روحانی قوت..... ۳۰
۱۹..... اصل علاج..... ۳۱
۲۰..... اہل کفر کو کفر سے مناسبت..... ۳۲
۲۱..... اسلام اور تلوار..... ۳۵
۲۲..... محبت اسلام..... ۳۶
۲۳..... ایک نومسلم کا حال..... ۳۹
۲۴..... نورِ اسلام..... ۴۰
۲۵..... اخبار الجامعہ..... ۴۲

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خطبۂ ماثورہ

الحمد للہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریك لہ ونشھد انّ سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ وبارك وسلم اما بعد!

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(اَلۡیَوۡمَ یَئِسَ الَّذِینَ کَفَرُواْ مِن دِینِکُمۡ فَلاَ تَخۡشَوۡھُمۡ وَاخۡشَوۡنِ اَلۡیَوۡمَ أَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِینَکُمۡ وَأَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِی وَرَضِیتُ لَکُمُ الۡإِسۡلاَمَ دِینًا فَمَنِ اضۡطُرَّ فِی مَخۡمَصَةٍ غَیۡرَ مُتَجَانِفٍ لِّإِثۡمٍ فَإِنَّ اللّٰہَ غَفُورٌ رَّحِیمٌ)(۱)

امتنان نعمت

یہ ایک لمبی آیت کا ایک ٹکڑا ہے۔ اس میں حق سبحانہ وتعالیٰ نے ایک نعمت پر امتنان (۱) ظاہر فرمایا ہے اور جس نعمت پر امتنان ظاہر فرمایا ہے وہ نعمت بھی اتنی بڑی ہے کہ اس کی برابر کوئی نعمت نہیں ہے۔ سب نعمتیں اس کے مقابلہ میں ماند اور ہیچ ہیں (۲)۔ اس بڑی نعمت پر اس لیے آگاہ کیا تا کہ اس پر مطلع ہوکر ہم اس کے حقوق ادا کریں۔ اور متنبہ ہوکر اس پر عمل کرنا شروع کریں۔ کیونکہ نعمت کا حق ہے اس کا شکر ادا کرنا۔ اور شکر یہی ہے کہ اس نعمت کے متعلق منعم کے حکم کا امتثال (۳) کیا جائے، جو وہ کہے اس پر عمل کیا جائے۔ مثلاً مال ایک نعمت ہے اس کا حق یہ ہے کہ غرباء پر احسان کرے، یتامیٰ

(۱) ”آج کے دن ناامید ہوگئے کافر لوگ تمہارے دین سے پس ان سے مت ڈرنا اور مجھ سے ڈرتے رہنا۔ آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنا انعام تمام کر دیا اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لیے پسند کیا“ سورۃ المائدہ: ۳(۱) احسان (۲) کم تر (۳) احسان کرنے والے کا حکم ماننے۔

ومساکین کی دستگیری کرے کہ منعم کا یہی حکم ہے۔ اسی طرح ہاتھ پاؤں نعمت ہیں۔ ان کا حق یہ ہے کہ دوسرے کی اعانت کرے۔ نیک کاموں میں ان کو لگاوے۔ غرض ہر نعمت کا ایک حق ہوتا ہے، پھر جیسی نعمت ہوتی ہے ویسا ہی اس کا حق ہوتا ہے۔ تو جو نعمت سب سے بڑی ہوگی اس کا حق بھی بڑا ہوگا اور جب اس کا حق ادا کرنے میں کوتاہی ہوگی، اس وقت اس کوتاہی پر متنبہ کرنا بھی ضروری ہوگا۔ یعنی جب اس کی طرف التفات (۱) نہ کیا جاوے تو متوجہ کر کے التفات کرایا جاوے گا۔ چنانچہ اس آیت میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے ایک نعمت کو بیان فرمایا ہے جس کا حق ادا کرنے میں ہم سے کوتاہی ہو رہی ہے، کسی کو اس کی طرف توجہ ہی نہیں الا ماشاء اللہ۔ اور یہ تو بڑی بات ہے کہ اس کا حق ادا کریں۔ ستم یہ ہے کہ اس کا نعمت ہونا بھی معلوم نہیں۔ دلیل اس کی کہ لوگ اس کو نعمت بھی نہیں سمجھتے، یہ ہے کہ ہر چیز کے لیے کچھ لوازم ہوتے ہیں، یہ ایک مقدمہ ہے دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ لازم کے منتفی ہونے سے ملزوم بھی منتفی ہوجاتا ہے (۲)۔ مثلاً آگ کے لیے گرمی لازم ہے۔ جہاں آگ ہوگی، اس کے آس پاس گرمی بھی ہوگی۔ اب اگر کہیں آگ ہونے کا دعویٰ کیا جاوے اور گرمی نہ ہو تو یہ سمجھا جاوے گا کہ وہاں آگ ہی نہیں ہے۔ اسی طرح ہر لازم وملزوم میں یہ بات لازم ہے کہ جہاں ملزوم ہوگا لازم بھی ضرور ہوگا، اور اگر لازم نہ پایا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ ملزوم بھی نہیں ہے۔ جب یہ قاعدہ سمجھ لیا تو اب سمجھئے کہ اس آیت میں جو نعمت مذکور ہے اس کو نعمت سمجھنے کے بھی کچھ لوازم ہیں۔ اگر وہ ہمارے اندر موجود نہیں تو ملزوم بھی نہیں۔ یعنی یوں کہیں گے کہ اس نعمت کو نعمت ہی نہ سمجھا، اگر نعمت سمجھتے تو اس کے لوازم بھی ضرور پائے جاتے۔ دیکھئے اگر ایک شخص کے پاس بہت بڑا قیمتی ایک کپڑا ہو، اور وہ اس کو زمین پر بچھا کر بیٹھ جاتا ہو، گھسیٹتا پھرتا ہو، نہ اس کے میلا ہونے کا خیال کرتا ہے، نہ پھٹ جانے کی پرواہ کرتا ہے، جہاں چاہتا ہے ڈال دیتا ہے، تو اس موقع پر سب یہی کہیں گے کہ اس نے اس کپڑے کی قدر نہیں کی۔ اس نے اس کو قیمتی ہی نہیں سمجھا، کیونکہ اگر اس کی نظر میں قدر ہوتی تو اس کی نگہداشت کرتا (۳)، ہر جگہ نہ پھینکتا۔ اگر قیمتی سمجھتا تو موقع کا لحاظ کرتا، بے موقع جگہ سے اس کی حفاظت کرتا، جب

(۱) توجہ نہ کی جائے (۲) لازم کے نہ پائے جانے کی بنا پر ملزوم بھی نہیں پایا جاتا (۳) دیکھ بھال

حفاظت نہ کی تو سمجھا جاوے گا کہ اس کو قیمتی ہی نہیں سمجھا گیا۔ غرض اسی طرح ہر لازم وملزوم میں یہ قانون ہے کہ انتفائے لازم سے ملزوم منتفی ہوجاتا ہے۔ ایسے ہی یہاں بھی ایک بڑی نعمت ہے جو اس آیت میں مذکور ہے، اس نعمت کا نام اسلام ہے، اور اس نعمت کا دوسرا نام بطور لقب کے نعمت ہے، چنانچہ فرماتے ہیں: اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الإِسْلاَمَ دِينًا ۔ آج کے دن تمہارے لیے میں نے تمہارے دین کو کامل کردیا اور تم پر اپنا انعام تام کردیا اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لیے پسند کیا۔ اس میں اول تو تصریح ہے نعمت ہونے کی، پھر نام لے کر بتلادیا کہ وہ نعمت کیا ہے، وہ اسلام ہے۔ کسی استنباط اور استدلال کی بھی حاجت نہیں رہی۔ بلکہ حق تعالیٰ نے تصریح کردی اس کے نعمت ہونے پر۔ یعنی بعض جگہ تو ایسا ہوتا ہے کہ کسی چیز کا نعمت ہونا استدلال سے ثابت کیا جاتا ہے۔ یہاں اس کی ضرورت نہیں کیونکہ نص میں خود مصرح ہے(۱) کہ وہ نعمت ہے۔ اور یہ بھی بتلادیا کہ وہ نعمت کیا ہے، اسلام ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اسلام کا نعمت ہونا ظاہر فرمایا ہے اور اس نعمت اسلام پر احسان وامتنان کو ظاہر فرمایا ہے۔

دین کی ناقدری

جب اس نعمت کی تعیین ہوگئی تو اب اس دعویٰ کو سمجھئے جو میں نے ابھی کہا تھا کہ اس کی طرف کسی کا التفات ہی نہیں الا ماشاء اللہ۔ لوگ اس کو نعمت ہی نہیں سمجھتے۔ اب میں اس کو ثابت کرتا ہوں۔ ہر شخص سمجھ لے اور ذرا اپنے قلب کو ٹٹول کر دیکھ لے کہ اس کو اور نعمتوں کے برابر کون نعمت سمجھتا ہے۔ دیکھئے کھانا کھا کر شکر کرتے ہیں۔ خدایا تیرا شکر ہے، تو نے ہم کو کھانا کھلایا۔ پانی پی کر شکر کرتے ہیں، الٰہی تیرا شکر ہے، کہیں سفر سے آتے ہیں تو سفر کی مشقت وکلفت کو یاد کرکے اور گھر کے عیش وراحت کو دیکھ کر کہتے ہیں، الٰہی تیرا شکر ہے۔ کوئی مقدمہ دائر ہو اور اس میں جرمانہ یا سزا یا قید کا اندیشہ ہو، پھر اس سے رہائی مل جاوے، بری ہوجاویں، تو کہتے ہیں، الٰہی تیرا شکر ہے۔ مگر کسی نے کبھی یہ بھی کہا کہ الٰہی تیرا شکر ہے کہ ہم مسلمان ہیں، ہم نعمت اسلام سے نوازے گئے ہیں۔ اگر ہم

(۱) قرآن میں اس کی تصریح ہے

اس کو نعمت سمجھتے تو جیسے اور نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہیں، اس کا بھی شکر ادا کرنا چاہیے تھا، بلکہ سب سے زیادہ کرنا چاہیے تھا، کیونکہ دین ودنیا کی ساری بہبودی اسی کی بدولت ہے۔ مگر یہاں ایک مرتبہ بھی زبان پر نہیں آتا کہ الٰہی تیرا شکر ہے۔ اور مستقلاً تو کیا شکر کرتے، دوسری نعمتوں کے ساتھ منضم (۱) کرکے بھی اس پر شکر نہیں کرتے۔ حالانکہ شارع علیہ السلام نے اس کا اس قدر اہتمام کیا ہے کہ اگر تم سے مستقلاً اس کا شکر ادا نہ ہوسکے تو دوسری نعمتوں ہی کے ساتھ ملا کر کرلیا کرو۔ چنانچہ کھانے کے ساتھ حکم ہے کہ کھانے پر شکر کرتے وقت نعمت اسلام کا بھی شکر ادا کرو۔ کھانے کے بعد جو دعا آئی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔ الحمد للّٰہ الذی اطعمنا وثقانا وجعلنا من المسلمین (۲) یعنی تمام حمد (۳) اس ذات کے لیے ہے جس نے ہم کو کھانے کو دیا، پینے کو دیا، اور ہمیں مسلمان بنایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں تعلیم دی ہے کہ کھانے پینے کے ساتھ اس کو بھی بڑھادو۔ وجعلنا من المسلمین اور ہمیں مسلمان بنایا۔ مگر نہایت افسوس کی بات ہے کہ ہم اس نعمت کے ساتھ اس قدر بے اعتنائی (۴) اور لاپرواہی کرتے ہیں کہ اس وقت بھی نعمت اسلام پر شکر نہیں کرتے۔ بس بجائے اس دعا کے اتنا کہہ دیتے ہیں اللہ تیرا شکر ہے۔

صحابہ کا حال

ایک صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تھے، ان کے قلوب میں دین کی کس قدر وقعت تھی۔ وہ ہم جیسے نہ تھے، اور ان کے قلوب میں قدر ہونے کی دو وجہ تھیں، ایک تو یہ کہ ان کا ادراک سلیم تھا وہ حضرات سلیم الفہم تھے (۵) بھلے برے کو تمیز کرسکتے تھے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اسلام کے قبل کی حالت اور بعد اسلام لانے کے جو حالت ہوئی، دونوں کا موازنہ کیا تھا۔ تو اپنی حالت ماضیہ (۶) اور موجودہ کے اندر انہوں نے بہت بڑا فرق محسوس کیا کہ پہلی حالت ظلمت تھی، دوسری حالت نور تھی۔ پہلے تاریکی میں تھے اب نور سے منور ہوگئے۔ وہ ظلمت کفر ہے اور یہ نور ایمان ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں کئی جگہ اللہ تعالیٰ نے کفر کو ظلمت سے اور ایمان کو نور سے تعبیر فرمایا ہے۔

(۱) ملاکر (۲) سنن الترمذی: ۳۳۹۶ (۳) تعریف (۴) بے توجہی (۵) سمجھ درست تھی (۶) گزشتہ۔

يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ (۱) انہیں کفر کے اندھیروں سے نکال کر نور ہدایت کی طرف لاتے ہیں۔ اور واقعی حقیقت میں بھی ایسا ہی ہے۔ مگر اس کا ادراک انہیں کو ہوتا ہے، جنہوں نے مختلف حالتوں کو دیکھا ہے۔

ہماری حالت کی مثال

ہمیں اس کی قدر نہیں ہمارے قلوب میں اس کی وقعت نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ہم کو تو دین مفت مل گیا ہے، ہم کو اس کے حاصل کرنے میں نہ کوئی مشقت کرنا پڑی ہے نہ کوئی ایذا پہنچی ہے۔ آباؤ اجداد سے میراث پہنچ گئی۔ پھر جیسے باپ دادا کی میراث کی کچھ قدر نہیں ہوتی کیونکہ مفت ہاتھ آجاتی ہے، ایسے ہی اس کی بھی قدر نہیں۔ مشہور ہے کہ ایک شخص ادھوڑی کا (۲) جوتا دوشالہ سے صاف کررہا تھا۔ کسی نے کہا کہ یہ کیا حماقت ہے، اتنا تو قیمتی دوشالہ جس کے آگے ادھوڑی کے جوتے کی کیا حقیقت ہے، اس سے جوتا جھاڑتے ہو، کہنے لگا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ دوشالہ تو میرے باپ کی کمائی کا ہے جو وراثۃً مجھ کو ملا ہے، اور جوتا میری کمائی کا ہے۔ صاحبو! وہی حالت ہماری ہے کہ ہم دوشالہ سے جوتی کو جھاڑ رہے ہیں۔ دوشالہ دین ہے اور ادھوڑی کا جوتا دنیا ہے۔ ہم دین کو دنیا کے لیے برباد کررہے ہیں۔ دین کی کچھ وقعت ہمارے دل کے اندر نہیں ہے۔ بس جیسے یہ شخص دوشالہ سے جوتا جھاڑ رہا تھا ایسے ہم بھی دین سے دنیا جھاڑ رہے ہیں۔ یعنی دین کے ذریعہ سے دنیا حاصل کررہے ہیں۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہم دین کو کوئی چیز نہیں سمجھتے ہیں۔ پھر اس حالت کے اعتبار سے ہم میں دو قسم کے لوگ ہیں۔ بعض تو ایسے ہیں کہ اپنے کو دنیا دار سمجھتے ہیں۔ وہ تو دین کو دنیا پر فدا کرتے ہی ہیں دین رہے یا نہ رہے اس کی پرواہ نہیں۔ دنیا ہاتھ سے نہ جانے پائے۔ یہ لوگ تو دین کی کھلم کھلا مخالفت کرتے ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ نہیں کہ یہ لوگ بے نفس ہیں کہ بدنامی سے نہیں ڈرتے، برا بھلا سننے سے نہیں گھبراتے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی ان کو بزرگ ہی نہیں سمجھتا۔ متقیوں میں شمار ہی نہیں ہوتے کوئی بات خلاف شرع کرنے سے ان کی بدنامی ہی نہ

(۱) سورۃ البقرۃ: ۲۵۷ (۲) معمولی چمڑے کا جوتا قیمتی چادر سے صاف کررہا تھا۔

ہوگی۔ کیونکہ ہر شخص جانتا ہے کہ یہ تو عیاش بدمعاش ہیں ہی۔ اور ایک وہ ہیں کہ ظاہر میں متقی اور دیندار مانے جاتے ہیں، یہ وہ ہیں جو بظاہر دنیا کو دین پر فدا کرتے ہیں۔ ظاہراً تو مقتدائے دین ہیں، بڑے علماء وصلحاء میں سے سمجھے جاتے ہیں۔ مگر یہ مرض ان میں بھی ہے کہ جہاں دین ودنیا جمع ہوتے ہیں، وہاں دنیا کو دین پر ترجیح دیتے ہیں۔ مگر کس خوبصورتی سے کہ ایک برجستہ تاویل کرکے اس دنیا کو بھی برنگ دین ظاہر کرتے ہیں۔ نعوذ باللہ۔ گویا وہی حالت ہے۔ يُخَادِعُونَ اللّٰهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يَخْدَعُونَ إِلاَّ أَنفُسَهُم وَمَا يَشْعُرُونَ (۱)

جب گناہ کریں گے تو غلط تاویل کرکے اور اگر غلط فتویٰ کسی اثر سے دیں گے تو اس کی بھی توجیہ کریں گے، حالانکہ اس تاویل اور فتویٰ کا غلط ہونا اور اس کا بطلان ان کو بھی معلوم ہے۔ مگر پھر واہیات خرافات تاویلیں اس لیے کرتے ہیں تاکہ وہ تاویلیں وقت پر آڑ ہوسکیں اور کوئی بددینی نہ کھلے۔ ان کے تقویٰ میں دھبہ نہ لگے۔ غرض یہ بھی دین کو دنیا کے تابع بناتے ہیں۔ بہرحال دونوں حالت میں دین کی بیقدری ہوئی خواہ دین کی کھلم کھلا مخالفت کی جائے یا دنیا کو برنگ دین بنایا جائے۔ بہرصورت وہی مثال ہوئی کہ دوشالہ سے ادھوڑی کے جوتہ کو جھاڑ لیا۔

ترقی مطلوب

تعجب ہے کہ مسلمان دنیوی نعمتوں کو دین پر ترجیح دیتے ہیں، اور صرف بیقدری ہی نہیں اس سے بڑھ کر غضب یہ ہے کہ اس سے اعراض اور تنگی ظاہر کرتے ہیں۔ کبھی کھلم کھلا اور کبھی کسی پردہ میں اس سے نفرت ظاہر کرتے ہیں۔ چنانچہ لکھنؤ میں ایک کمیٹی ہوئی جس میں اس پر بحث تھی کہ مسلمانوں کے تنزل کا سبب کیا ہے؟ میں اس وقت لکھنؤ میں تھا، ایک شخص میرے پاس آیا کرتے تھے اس مجمع میں موجود تھے، انہوں نے مجھ سے کہا کہ اس کمیٹی کا آخری فیصلہ یہ ہوا کہ خود اسلام ہی سبب ہے تنزل کا، جب تک اسلام باقی ہے، اس وقت تک ہم ترقی کرنہیں سکتے، یہی مانع ترقی

(۱) ''وہ لوگ دھوکہ دیتے ہیں کہ اللہ کو اور ایمان والوں کو حالانکہ وہ اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہیں اور شعور نہیں رکھتے'' سورۃ البقرۃ:۹۔

ہے۔ خدا جانے یہ لوگ ترقی کس کو سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک ترقی کا ذریعہ وہ ہے جس سے مال و جاہ بڑھے۔ اگر مال وجاہ حاصل ہے تو ترقی حاصل ہے ورنہ نہیں، حالانکہ حقیقت کو دیکھنا چاہیے کہ درحقیقت ترقی کس کا نام ہے۔ آیا ہر ترقی کو ترقی کہتے ہیں یا اس میں نافع وضار(۱) کا بھی فرق ہے۔ کیونکہ بالاتفاق بعض ترقی نافع (۲) ہوتی ہے اور بعض ضرر (۳) پہنچاتی ہے۔ تو کون سی ترقی مطلوب ہے۔ صرف ترقی نافع یا کہ نافع وضار میں کچھ فرق نہیں غالباً ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ترقی نافع ہی مطلوب ہے۔ اور جو ترقی مضر ہو اس کو کوئی ترقی نہیں کہہ سکتا۔ تو اب دیکھنا چاہیے کہ آیا مال وجاہ دین کے برابر نافع ہے یا نہیں۔ مطلق مال وجاہ کے نافع ہونے سے مجھ کو انکار نہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ دین کے برابر بھی ان کا نفع ہے یا نہیں۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی کو اشرفیاں ملی تھیں تو اس نے ان کو تھیلی میں بھر لیا۔ آگے چل کر خوبصورت کوڑیاں ملیں تو اس نے اشرفیوں کو پھینک کر کوڑیوں سے تھیلی بھر لی۔ تو گو ایک درجہ میں کوڑیاں بھی نافع ہیں، مگر کیا اس درجہ نافع ہیں کہ اشرفیوں کو ضائع کرنے کے بعد ان کو بھرا جائے۔ اسی طرح مال وجاہ ضرور نافع ہیں مگر اس درجہ نافع نہیں کہ اسلام ضائع ہونے کے بعد بھی ان کا نفع معتد بہ ہو۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ مال اور جاہ کا نفع تو دنیا ہی میں ہے، اور دین کا نفع دنیا اور آخرت دونوں میں ہے۔ آخرت میں تو دین کا نافع ہونا مسلم ہے، باقی دنیا میں بھی یہ مال وجاہ سے زیادہ نافع ہے۔ ان شاء اللہ میں اس کو ثابت کردوں گا۔ لیکن اس سے قطع نظر بھی ظاہر ہے کہ عالم دنیا عالم آخرت کے مقابلہ میں کوئی چیز نہیں۔ لہٰذا نفع اخروی کے مقابلہ میں نفع دنیوی بھی کوئی چیز نہیں۔

دنیا و آخرت کی مثال

دونوں عالموں کی مثال ایک حدیث میں مذکور ہے۔ حدیث یہ ہے کہ اگر ایک انگلی سمندر میں ڈالی جاوے تو اس میں کچھ پانی سمندر کا لگ جائے گا۔ سو جو نسبت اس انگلی میں لگ جانے والے پانی کو سمندر کے پانی کے ساتھ ہے، یہی نسبت دنیا کو آخرت

(۱) مفید اور نقصان دہ (۲) مفید (۳) نقصان کا باعث۔

کے ساتھ ہے۔ ظاہر ہے کہ اس پانی کو سمندر کے پانی سے کیا نسبت ہے؟ اب آخرت میں اگر ترک دین کی وجہ سے نفع نہ ہو، بلکہ ضرر ہونے لگے تو وہ مال کیا نفع دے سکتا ہے۔ پس جب مال دین کے مقابلہ میں نافع نہیں۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ ہر ترقی مطلوب نہیں بلکہ بعض ترقی مضر بھی ہوتی ہے اور ترقی مضر کو ترقی نہیں کہہ سکتے۔ اگر ہر ترقی اور ہر زیادتی مطلوب ہو تو کسی کے اگر زخم ہو یا کوئی پھوڑا دنبل نکل آئے اس کو بھی ترقی سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ پھوڑے کی جگہ میں ورم تو ضرور ہوتا ہے۔ سو یہ بھی ترقی ہی ہوئی۔ پس چاہیے کہ پھوڑے اور دنبل کو ترقی سمجھ کر علاج نہ کرے۔ ڈاکٹر کو آپریشن نہ کرنے دے کہ واہ اتنا بڑا تو پھوڑا ہے، میرے بدن میں، کس قدر ترقی ہوئی ہے۔ آپریشن سے تنزل ہوجائے گا۔ بدن گھٹ جائے گا۔ کیوں صاحب! ورم کو تو کوئی بھی ترقی نہیں سمجھتا حالانکہ اس میں بھی زیادت ہے اور درہم کی کثرت کو ہر شخص ترقی سمجھتا ہے۔ گو اس میں ضرر بھی ہو وجہ فرق کیا ہے؟ یہ درہم و دینار تو آخر کار ورم ہی ہوجاوے گا کہ جیسے اس ورم کی وجہ سے ضرر اور تکلیف پہنچتی ہے، اس درہم کی بدولت بھی آخرت میں قسم قسم کی مصیبتیں اٹھانا پڑیں گی۔ معلوم ہوا کہ ہر ترقی مطلوب نہیں، بلکہ صرف وہ ترقی مطلوب ہے جو دین کو مضر نہ ہو، اور وہ ترقی مطلوب ہے جو اپنے سے زیادہ نافع چیز کے لیے مضر نہ ہو، ورنہ وہ مطلوب تو کیا ہوتی مضر ہوگی۔

مذاق کا بگاڑ

اور لکھنؤ کی کمیٹی میں جو یہ پاس ہوا تھا کہ اسلام سبب تنزل کا ہے، اس کا منشاء ترقی کی حقیقت سے ناواقف ہونا تھا۔ کیا ان جاہلوں نے بھی ڈاکہ زنی اور چوری کو بھی ترقی سمجھا ہے؟ اگر یہ نہیں تو پھر ذرا وہ عقلاً ثابت کردیں کہ چوری اور ڈاکہ میں اور سود اور رشوت اور قمار بازی میں کیا فرق ہے۔ اور اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ نے حکومت پر کبھی اعتراض نہ کیا کہ تم نے چوری اور ڈاکہ کو ممنوع قرار دے کر ترقی کو روک دیا، اور اسلام پر بلا دلیل یہ اعتراض کیا جاتا ہے۔ حالانکہ اسلام نے بھی انہیں کاموں سے روکا ہے، جو چوری اور ڈاکہ کی مثل ہیں۔ مگر تماشہ ہے کہ پھر بھی بعض لوگ احکام شریعت کو مانع ترقی اسلام سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ایک تعلیم یافتہ نے ایک جلسہ میں بیان کیا تھا کہ اسلام کو

ترقی نہ ہونے کا سبب نماز ہے۔ اگر اسلام میں نماز نہ ہوتی تو اس دین کی بڑی ترقی ہوتی۔ کیونکہ جب کوئی مسلمان ہونا چاہتا ہے تو جب پہلے ہی اس کو بتلادیا جاوے گا کہ پانچ وقت کی نماز تیری گردن پر رکھی جائے گی وہ گھبرا اٹھے گا کہ یہ مجھ سے کیونکر ادا ہوں گی۔ بس اس سے وہ متوحش ہوکر اسلام لانے سے اعراض کرتا ہے۔ اگر سب مولوی لوگ جمع ہوکر اسلام سے نماز کو نکال دیں تو بہت ہی اچھا ہوتا کہ اسلام کو ترقی ہو۔ استغفراللہ گویا شریعت مولویوں کی بنائی ہوئی ہے۔ غرض اس طرح خود مسلمانوں کا مذاق بگڑ گیا ہے۔ سعدیؒ فرماتے ہیں۔

ہر کس از دست غیر نالہ کند سعدی از دست خویشتن فریاد (۱)

محافظتِ دین

غیروں کا ضرر (۲) پہنچانا تو الگ رہا ہم تو خود ہی اسلام کو ضرر پہنچا رہے ہیں۔ خود مسلمان ہی اسلام کی جڑ کو کھوکلا کر رہے ہیں۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی درخت کسی باغ میں لگا ہوا ہو اور باغ کا مالی اس کی خدمت نہیں کرتا۔ پانی نہیں دیتا، کبھی اس کی خبر گیری نہیں کرتا کہ دفعۃً کسی بھینسے نے آکر دھکا دے کر درخت کو گرادیا، تو یہاں بھینسے کی شکایت نہیں کی جائے گی کہ اس نے ٹکر مار کر گرادیا بلکہ خطا اس مالی کی ہے۔ حقیقت میں درخت کو مالی نے گرایا ہے، بھینسے نے نہیں گرایا ہے۔ اس نے پانی نہ دے کر اس کی جڑ کمزور کردی، ورنہ اس کی جڑ تو اتنی پکی تھی۔ كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ (۳) (کلمہ طیبہ کی مثال) پاکیزہ درخت (کھجور) کی ہے جس کی جڑیں زمین پر ہیں اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں۔۔ وہ تو اتنا بڑا مضبوط درخت تھا کہ

ہر کہ بافولاد بازو پنجہ کرد ساعد سیمین خود را رانجہ کرد (۴)

مگر مالی نے پانی نہ دے کر اس کی جڑ کو ایسا کمزور کردیا کہ ذرا سے ہوا کے جھونکے سے گر پڑا یا کسی کا ہاتھ لگا اور گر گیا۔ جب اس کی یہ حالت ہے کہ ذرا سے اشارہ سے گر پڑتا ہے، پھر بھینسے کی ٹکر تو بڑی چیز ہے۔ صاحبو! یہی حال ہم نے اپنے اسلام کا کر رکھا ہے۔ یاد رکھو جب کبھی اسلام کو ضرر پہنچا ہے اہل اسلام ہی کے ہاتھ سے پہنچا

(۱) ''ہر شخص دست غیر سے نالاں ہے اور سعدیؒ اپنے ہاتھ سے یعنی ہر شخص عوام کی شکایت کرتا ہے مگر مجھے علماء سے شکایت ہے'' (۲) نقصان (۳) سورۃ ابراہیم: ۲۴ (۴) ''جو فولادی ہاتھ سے پنجہ آزمائی کرے گا اپنا ہاتھ تڑوائے گا''

ہے۔ ورنہ یہ دین ایسا ہے کہ اس کو کوئی قوت کمزور نہیں کرسکتی۔ اگر اہل اسلام اس دین کو ضرر نہ پہنچاتے تو کبھی اس دین کو ضرر نہ پہنچتا۔ کیونکہ خدا اس کا محافظ ہے۔ مگر محافظت کے یہ معنی نہیں کہ تم اس کو ضائع کرو۔ تب بھی محفوظ رہے گا بلکہ إِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (۱) کے معنی یہ ہیں اگر تم اس کا دھیان رکھو، اس پر عمل کرو اور محافظت کرو اللہ تعالیٰ اس کو قائم رکھیں گے، ضائع نہ ہونے دیں گے۔ اگر کوئی کہے کہ جب ہماری محافظت کی بھی ضرورت ہے تو اللہ میاں کی محافظت کیا چیز ہوئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عقیدہ ثابت ہے کہ آپ کا کوئی فعل بھی بغیر ان کی تائید کے نہیں ہوسکتا۔ جب یہ مقدمہ ذہن نشین ہوگیا تو اب سمجھئے کہ آپکا یہ فعل خاص یعنی محافظت دین بھی ان کی تائید کی محتاج ہے۔ تو ان کی محافظت تمہاری محافظت کی محتاج نہیں، بلکہ تمہاری محافظت خود ان کی محافظت کی محتاج ہے۔ مگر عادۃ اللہ یہی ہے کہ ان کی محتاج الیہ محافظت کا ظہور تمہاری محتاج محافظت کے بعد ہوتا ہے۔ اگرچہ تاثیر اس کی پہلے ہوتی ہے پس إِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (۲) کے معنی یہ ہیں کہ تم اس کام کو کرو یعنی محافظت کرو جس میں تم ان کی تائید کے محتاج ہو۔ حق تعالیٰ اپنی عنایت سے تمہاری محافظت کو بار آور کردیں گے جس سے ان کی محافظت کا ظہور ہوجائے گا جیسے حق تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کی ہے۔ اس کے بھی یہ معنی نہیں کہ اب کسی کو حفظ کی ضرورت نہیں رہی بلکہ ان کی محافظت کے یہ معنی ہیں کہ ہم کو حفظ کرنے کا حکم فرمایا، سامان مہیا فرمادیا، جس سے ہم اس کے لیے کوشش کرتے ہیں وہ ہماری سعی کو پورا فرمادیتے ہیں۔ اگر ان کی طرف سے مدد نہ ہو تو قرآن کبھی بھی یاد نہ ہو۔ چنانچہ بہت سے لڑکے حفظ کرنا چاہتے ہیں مگر نہیں ہوتا۔ ایسے ہی بہت سے بڑے آدمی جوان پوری عمر کے بہت چاہتے ہیں کہ حفظ کریں مگر نہیں ہوتا۔ کسی کو فرصت نہیں ملتی کسی کے پاس مال جمع نہیں ہوتا، اس کے مقابل بعض کامیاب بھی ہوجاتے ہیں۔ اب اگر کوئی آدمی حافظ ہوجاوے تو یہ کہیں گے کہ اس نے کوشش کی تھی، حق تعالیٰ نے اس کو کامیاب کردیا۔ خوب سمجھ لو اور اس کے نظائر دیکھئے۔ مثلاً کھیتی کرنا ہے تو کیا اس میں بندہ کو کچھ کرنا نہیں پڑتا کہ نہ زمین کو کھودتا ہو نہ دانہ ڈالتا ہو نہ حفاظت کرتا ہو۔ نہیں بلکہ بندہ کو بھی بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔ ہل چلانا، زمین

(۱) ''بیشک ہم ہی اس کے محافظ ہیں'' (۲) ''بیشک ہم ہی اس کے محافظ ہیں'' سورۃ الحجر:۹۔

کھودنا، پانی سینچنا، پہرہ دینا۔ وغیرہ وغیرہ۔ اگر کہو پھر اللہ میاں کو کیا کرنا پڑا۔ جواب یہ ہے کہ ہم نے مانا تم نے سب کچھ کیا، زمین کو تیار کیا، پانی سینچا، دانا بھی ڈالا، مگر کیا اس دانہ سے بال (۱) نکالنا تمہاری قدرت میں تھا؟ ہرگز نہیں۔ اسی لیے فرماتے ہیں۔ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ (۲) اسی طرح دین کی محافظت کی بھی یہی صورت ہے کہ ہم کو حکم کیا محافظت کا پس ہم اس کی حفاظت کریں، کوشش کریں پھر اللہ تعالیٰ اس کو پورا فرمائیں گے۔ کیونکہ وعدہ کیا ہے۔ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ، یعنی اللہ تعالیٰ اس محافظت کی تکمیل کریں گے۔

مسلم کی داخلی قوت

اب سمجھئے دین کی محافظت دو طرح سے ہے۔ ایک بیرونی حملوں کو روکنا، اور دوسرے خود اندرونی آثار اور بناؤں (۳) کو مستحکم کرنا۔ لوگوں نے محافظت کے صرف یہ معنی سمجھے ہیں کہ اوروں سے لڑنے لگے۔ یعنی بیرونی حملوں کو روکنا شروع کر دیا، اور اس کو کافی سمجھ لیا۔ حضرت! بیرونی حملہ کو روکنے سے زیادہ اہتمام اندرونی آثار کا کرنا چاہیے، کیونکہ محافظت کے لیے دونوں جزو کی ضرورت ہے۔ ایک بیرونی حملہ سے بچانا، دوسرے اندرونی حالت کو مکمل کرنا۔ اگر اندرونی حالت بالکل خراب ہو تو محافظت ہو ہی نہیں سکتی۔ دیکھو اگر کوئی بادشاہ ہو اور وہ ساری فوج کو موقوف کر دے (۴) لڑائی کے ساز و سامان کو برباد کر دے، سارے خزانہ کو لٹا دے، آگ لگا دے۔ اب اگر کوئی غنیم (۵) آجاوے اور بادشاہ لڑائی کے لیے آمادہ ہو جائے کیا وہ ظفریاب (۶) ہو سکتا ہے؟ بلکہ وہ حالت ہوگی۔

لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

جب فوج نہیں، خزانہ نہیں، سامان حرب (۷) نہیں تو کیا خاک اپنے ملک کی محافظت کر لے گا؟ تو ایسی حالت میں محافظت کے کیا معنی ہوں گے۔ بس یہ معنی ہوں گے کہ

(۱) کیا کونپل نکالنا تمہارے اختیار میں ہے (۲) ''کہ تم جو کھیتی کرتے ہو، کیا تم اس کو زمین سے نکالتے ہو یا ہم؟ زمین سے نکالنا تمہارا کام نہیں ہے وہ خدا کا کام ہے۔ تو جیسے کھیتی کرنے میں نہ سب کام خدا کے حوالے کر دیتے ہو اور نہ کوشش چھوڑتے ہو، بلکہ اس میں سعی تمہاری ہوتی ہے، باقی کامیاب ہونا نہ ہونا خدا کے اختیار میں ہے (۳) بنیادوں (۴) فوج ختم کر دے (۵) دشمن (۶) کامیاب (۷) سامان جنگ۔

نویت ان احافظ ملکی۔ کہ میں محافظت ملکی کی نیت باندھتا ہوں۔ سو محافظت تو اس سے ہوچکی۔ اب بتلایئے کہ یہ بادشاہ اپنے ملک کی حفاظت کیوں نہ کرسکا؟ صرف اسی وجہ سے کہ اس نے اندرونی قوت کو بالکل تباہ اور مضمحل (۱) کردیا تھا۔ اس حالت میں وہ بیرونی حملہ کو کیسے روک سکتا ہے؟ یہی حالت ہماری ہے کہ ہم محافظ اسلام کے لیے محض بیرونی حملوں کو دفع کرنا چاہتے ہیں۔ اور اپنی حالت کی تکمیل نہیں کرتے۔ افسوس ہے کہ اس وقت فتنہ ارتداد سے مسلمانوں کی گو ایک آنکھ تو کھلی، یعنی بیرونی حملوں کا کچھ انسداد کیا ہے، مگر ایک اب بھی بند رہ گئی یعنی اندرونی حالت درست کرنا، وہی کانے کے کانے ہی رہے۔ پوری طرح ہوش اب نہیں آیا۔ حضرات! مکرر کہتا ہوں کہ اندرونی محافظت کی زیادہ ضرورت ہے، اپنے اسلام کو راسخ کرنا، شریعت کا متبع ہونا، یہ اندرونی محافظت ہے۔

صاحبو! کامل مسلمان بن جاؤ۔ احکام شریعت کی پورے طور سے پابندی کرو۔ یہی نہیں کہ غیروں سے لڑنے لگو، بلکہ میں کہتا ہوں کہ خواہ لڑو مت، مگر اپنی حالت کو درست کرلو۔ صاحبو! ہر شے کا ایک اثر ہوا کرتا ہے۔ اسلام کامل کا بھی ایک اثر ہے۔ واللہ جو کام خارجی قوت سے نہیں ہوتا، وہ داخلی قوت سے ہوجاتا ہے۔ اگر داخلی قوت پکی ہوجاوے تو خارجی قوت کی زیادہ ضرورت ہی نہ رہے۔ پہلے زمانہ میں لوگ ہمارے بزرگوں کو دیکھ کر، ان کے اعمال، ان کی طرز معاشرت کو دیکھ کر اسلام میں داخل ہوتے تھے۔ کوئی زور یا زبردستی سے مسلمان نہیں ہوتے تھے۔ مگر اب ہمارے اعمال خراب، اخلاق خراب، معاشرت گندی، معاملات خراب، اگر کوئی مسلمان ہونا چاہے تو ہماری کیا چیز دیکھ کر ہو؟۔

قوت اسلام

اور اس مقام پر ایک تنبیہ کی ضرورت ہے۔ وہ یہ کہ اکثر مقررین کی زبان پر یہ جملہ آتا ہے کہ اسلام ضعیف ہوگیا (۲)۔ شاید کوئی میرے کلام کو بھی اسی پر محمول کرلے۔ سو خوب سمجھ لو کہ اسلام کے دو درجے ہیں۔ ایک اسلام کی ذات اور حقیقت اور ایک اہل اسلام کی صفت اور حالت۔ سو میں یہ نہیں کہتا کہ اسلام اپنی حقیقت کے درجہ میں مختل (۳)

(۱) کمزور (۲) کمزور (۳) بے اثر۔

ہوگیا۔ ہرگز نہیں وہ تو اب بھی اپنی اسی آب وتاب پر ہے۔ اس کی تو یہ حالت ہے۔

ہنوز آں ابر رحمت درفشاں ست　　خم و خمخانہ بامہرو نشان ست (۱)

بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ ہمارا اسلام ضعیف ہوگیا ہے۔ یعنی ہماری اسلامی حالت مختل ہوگئی (۲)۔ باقی یہ جو آجکل لیکچراروں کی زبان پر ہے کہ اسلام ضعیف ہوگیا، جس کا مفہوم قرائن سے یہ ہے کہ وہ اپنی ذات میں ضعیف ہوگیا۔ سو یہ بالکل غلط ہے۔ وہ ہرگز ضعیف نہیں ہے، وہ اپنی ذات میں کامل مکمل ہے اور کبھی اس میں ضعف نہیں آسکتا۔ اسلام اس وقت ضعیف ہوسکتا ہے کہ نعوذ باللہ خدا ضعیف ہوجاوے، خداوند کریم کے ہوتے ہوئے اسلام کبھی ضعیف نہیں ہوسکتا۔ یہ غلط محاورہ زبان پر چڑھا ہوا ہے کہ آج کل اسلام ضعیف ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ ضعف اسلام کے کیا معنی؟ اگر مراد یہ ہے کہ اسلام جو قانون الٰہی ہے وہ ضعیف ہوگیا۔ تو یہ بالکل غلط ہے۔ اور اگر یہ معنی ہیں کہ وہ اسلام جو ہماری ایک خاص صفت ہے وہ ضعیف ہوگیا۔ ہم جو ایک صفت کے ساتھ متصف تھے اس میں کمی آگئی تو مسلم ہے (۳)۔ مگر پھر سیدھی بات یوں کیوں نہ کہو کہ آج کل ہم کمزور ہیں، اسلام میں ایسا لفظ کیوں کہو۔ جس سے غلط معنی کا شبہ پڑتا ہے، یوں کیوں کہتے ہو کہ اسلام ضعیف ہوگیا۔ اس میں تو دھبہ آتا ہے اسلام پر۔ ناظرین شبہ میں پڑتے ہیں، وہ اس کا مطلب یہ سمجھیں گے کہ بس مذہب اسلام ہی ضعیف ہوگیا ہے، ایسے موہم (۴) الفاظ کو چھوڑنا چاہیے۔ الغرض ہم لوگوں نے ضعف کو اسلام کی طرف منسوب کررکھا ہے۔ حیرت کی بات ہے کس قدر کبر ہے کیا ٹھکانہ ہے کبر کا کہ اپنی کوتاہی کو بھی اسلام پر ڈالا۔ وہی حال ہے کہ

حملہ برخود میکنی اے سادہ مرد　　ہمچو آں شیرے کہ برخود حملہ کرد (۵)

ہماری وہی مثال ہے جیسے ایک حبشی کو راستہ میں ایک آئینہ پڑا ہوا ملا۔ آپ نے اس میں اپنی حسین صورت کو ملاحظہ فرمایا۔ ان کی صورت جیسی ہوتی ہے سب کو معلوم ہے۔

(۱) ''اب بھی وہ ابر رحمت درخشاں ہے۔ خم اور خمخانہ اور مہر ونشان کے ساتھ موجود ہے'' (۲) خراب (۳) یہ قابل تسلیم ہے (۴) وہم میں مبتلا کرنے والے الفاظ (۵) ''اے سادہ لوح شخص تو اپنے اوپر خود حملہ کرتا ہے جیسا کہ اس شیر نے خود اپنے اوپر حملہ کیا تھا''۔

آئینہ میں جب اپنی بری صورت دکھائی دی تو جھنجھلا کر آئینہ کو پتھر پر دے مارا اور کہا ایسی بھدی(۱) صورت کا تھا جبھی تو کوئی راستہ میں پھینک گیا تو جیسے اس حبشی نے اپنی بدصورتی کو آئینہ کی طرف منسوب کیا ایسے ہی ہم بھی اپنے ضعف اور اپنی کمزوریوں کو اسلام پر ڈالتے ہیں۔ اسی طرح کسی احمق بڈھے کی حکایت ہے کہ اس کا لڑکا روٹی کھا رہا تھا۔ اتفاق سے ایک ٹکڑا لوٹے میں گر گیا، ، اس نے جو جھانک کر دیکھا تو اپنی صورت نظر آئی ۔ وہ اسے کسی دوسرے بچے کی شکل سمجھا وہ بچہ تھا یہ نہ سمجھا کہ یہ میرا ہی ظل (۲) وعکس ہے رو کر کہنے لگا کہ ابا اس بچہ نے میرا ٹکڑا چھین لیا۔ اب وہ بڈھے صاحب اٹھے کہ تو ہٹ میں آتا ہوں تُو کمزور ہے۔ تو اس سے چھین نہیں سکتا۔ میں چھین لوں گا۔ آپ نے جو جھانک کر دیکھا حضور کو اپنی شکل نظر آئی کہنے لگا لعنت ہے! اتنی لمبی ڈاڑھی لگا کر بچے کا ٹکڑا چھینتے ہوئے کچھ شرم بھی آئی؟ تف ہے تیری اس صورت پر۔ سب کچھ کہہ لیا اور احمق کو یہ خبر نہیں کہ اپنے ہی کو کہہ رہا ہے جو کچھ تو کہہ رہا ہے وہ تیرے ہی اوپر برس رہا ہے۔ نیز ہماری بعینہٖ وہی مثال ہے۔ جیسے میرے ایک عزیز مجھ سے بیان کرتے تھے کہ ایک عورت اپنے بچہ کو پاخانہ پھرا کر (۳) کپڑے سے پونچھ کر چاند دیکھنے کھڑی ہوئی وہ دن چاند رات کا تھا۔ وہ بھی ناک پر انگلی رکھ کر دیکھنے لگی تو پاخانہ کی بو آئی کیونکہ جلدی میں کچھ پاخانہ انگلی میں لگ گیا تھا۔ تو کہتی کیا ہے کہ اوئی اب کے چاند سڑا ہوا کیوں نکلا۔ تو اس الو کی پٹھی کو یہ خبر نہیں تھی کہ چاند تو سڑا ہوا نہیں ہے تو ہی خود سڑی ہوئی ہے۔ مگر اس نے اپنے متعلق تو ایسا احتمال نہ کیا چاند پر خاک ڈالنے چلی۔ اسی طرح ہم چاند پر خاک ڈالنا چاہتے ہیں تو اپنے ضعف کو اسلام پر لگاتے ہیں۔

کید نفس

صاحبو! اسلام ضعیف نہیں ہوا بلکہ ہم خود ضعیف ہو گئے ہیں مگر اپنے ضعف کو جو ہم اپنی طرف منسوب نہیں کرتے بلکہ اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں اس میں نفس کا ایک کید خفی ہے (۴) وہ یہ کہ اگر ضعف کو اپنی طرف منسوب کریں تو اس ضعف کا

(۱) بری صورت (۲) سایہ (۳) پاخانہ کرا کر (۴) پوشیدہ مکر۔

تدارک کرنا پڑتا ہے، اور اس کا تدارک یہ تھا کہ ہم اسلام میں پکے ہوتے، اور اس میں خود کو بہت سے کام کرنا پڑتے ہیں۔ اب ضعف اسلام کی طرف منسوب کر دیا تا کہ کچھ نہ کرنا پڑے کہ بس جو کچھ ضعف ہے اسلام میں ہی ہے۔ ہم پر ضعف کا کوئی اثر نہیں، کوئی شکایت یا کوتاہی ہم میں ہے ہی نہیں، تا کہ اس کا تدارک (۱) کرنا پڑے، اسی لیے خدمت اسلام کو ایسے لوگ کھڑے ہو جاتے ہیں، جن کے عقائد تک صحیح نہیں اور اعمال کا تو کیا ذکر بھلا ایسے لوگ اسلام کی کیا خدمت کر سکتے ہیں؟ اور ان کی خدمت سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔ جب خود تمہارے ہی عقائد درست نہیں پھر دوسروں کو صحیح عقائد کی طرف کیوں بلاتے ہو؟ اور اگر اپنے غلط عقائد کی طرف بلاتے ہو تو ایسے غلط تو اس کے بھی ہیں۔ پھر وہ تمہارا کہنا کیوں مانے؟ اسی طرح بعض مبلغین کے اعمال کی یہ حالت ہے کہ نہ نماز ہے نہ روزہ نہ حلال حرام کی پرواہ ہے نہ معاملات اچھے ہیں نہ معاشرت ٹھیک ہے، ان کی حالت کو دیکھ کر کوئی ان کو مسلمان بھی نہیں کہہ سکتا۔ پہلے تو دنیا دار مسلمانوں کی یہ حالت تھی کہ نماز پڑھتے، روزہ رکھتے، زکوٰۃ دیتے، حج ادا کرتے، حلال حرام کی جانچ کرتے تھے، احکام شرعیہ کے ذرا برابر خلاف نہ کرتے تھے۔ اب یہ حالت ہوگئی۔ بقول اکبر ؎

نہ نماز ہے نہ روزہ نہ زکوٰۃ ہے نہ حج ہے تو خوشی پھر اس کی کیا ہے کوئی جنٹ کوئی جج ہے

اول اول جب کالج کھولے گئے تو لوگوں نے کہا تھا کہ اب اسلام کو بڑی ترقی ہوگی۔ کیونکہ مسلمانوں کو حکومت کے عہدے ملیں گے اور جج کلکٹر، ڈپٹی وغیرہ نماز پڑھنے آویں گے۔ مسجد کے دروازے پر گاڑی کھڑی ہوگی۔ لوگ پوچھیں گے کہ یہ گاڑی کس کی ہے؟ ملازم کہے گا ڈپٹی صاحب کی ہے۔ کہیں بگی کھڑی ہے کس کی ہے؟ جنٹ صاحب کی ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ یہ لوگ نماز کے لیے مسجد میں تو کیا آتے۔ امتحان پاس کر کے خود نماز کے پاس بھی نہیں پھٹکتے۔ (لطیفہ جتنے پاس ہوتے گئے اتنے ہی دور ہوتے گئے) ہاں ڈگری ملنے اور امتحان میں پاس ہونے سے پہلے بعضے بعضے نماز پڑھتے رہتے ہیں۔ اور جہاں مقصود حاصل ہوا پھر کہاں کی نماز کدھر کا روزہ؟ گویا اب خدا کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ جیسے بعض طالب علم امتحان کے زمانہ میں یا علیم یا علیم بہت پڑھا کرتے ہیں اور جب امتحان گزر گیا

(۱) سد باب۔

پھر اس کی خبر ہی نہیں، گویا اب خدا کی ضرورت نہیں رہی۔ ہمارے یہاں ایک نوجوان شخص خوشحال گھرانے کا تھا بہت نیک بخت نمازی تہجد گزار، روزے بھی رکھتا تھا، عشرہ اخیرہ میں اعتکاف بھی کرتا تھا، خدا تعالیٰ سے دعائیں بھی گڑگڑا کر مانگتا تھا۔ اس کا ایک تایا تھا بڑا جاہل، وہ کہنے لگا ارے ہاتھ پھیلا پھیلا کر کیا مانگتا ہے؟ تجھے کس بات کی کمی ہے۔ کھانے کو موجود ہے، پہننے کو موجود ہے تجھے کس چیز کا گھاٹا ہے۔ غضب ہے بعض لوگ اتنے بدعقیدہ ہیں، الٰہی توبہ۔ اور اس سے بڑھ کر یہ غضب ہے کہ بعضے پیر پرست کہتے ہیں کہ جو کچھ مانگنا ہو بڑے پیر سے مانگو۔ اور اللہ کی نسبت کہتے ہیں کہ میاں ان سے کیا مانگنا، ان کا تو یہ کام ہے اس سے لیا اس کو دیا اس سے لیا دوسرے کو دیا۔ خدا کی پناہ خدا کی پناہ۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور وقعت قلب میں بالکل ہی نہیں، جو منہ میں آیا بک دیا نہ اس کی پرواہ ہے کہ اس بات سے ہمارا ایمان جاتا ہے۔ نہ اس کا خیال ہے کہ یہ الفاظ کفر کے ہیں۔ حالانکہ خدا تعالیٰ کی عظمت سب سے زیادہ ہونی چاہیے تھی۔

مؤمن و کافر میں فرق

مگر میں اب دیکھتا ہوں کہ سب سے زیادہ تو کیا ہوتی، برابر بھی نہیں۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تو کچھ عظمت دلوں میں ہے بھی۔ مگر حق جل شانہٗ کی عظمت تو بالکل دلوں سے جاتی رہی۔ وہ حالت ہوگئی کہ ہمارے اسلام کو دیکھ کر لوگوں کو اسلام لانے سے عار آتی ہے۔ جیسے ایک مجوسی کا قصہ مولانا رومیؒ نے لکھا ہے کہ کسی نے اس سے کہا تھا کہ مسلمان ہوجاؤ، اس نے کہا کیسا مسلمان ہوں، تم جیسا یا بایزید جیسا۔ اگر یہ مراد ہے کہ تم جیسا مسلمان ہوجاؤں تو تم سے تو میں ہی اچھا ہوں اور بایزید جیسا میں ہو نہیں سکتا۔ گو اس کا یہ کہنا کہ ایسے مسلمانوں سے تو ہم ہی اچھے۔ بالکل غلط ہے کیونکہ باغی سے غیر باغی ہر حالت میں اچھا ہے۔ کفر بغاوت ہے اور اسلام اطاعت ہے۔ غیر باغی خواہ چور یا زانی ہو باغی سے بدرجہا افضل ہے خواہ وہ کیسا ہی مہذب اور عقل کا پتلا ہو۔ تمہیں کیا معلوم ہے کہ بغاوت اور اطاعت میں کیا فرق ہے۔ بادشاہ سے پوچھو کہ اس کی نظر میں کون اچھا ہے۔ باغی یا مطیع؟ اور کس کی وقعت اس کے قلب میں ہے اور کس سے نفرت ہے۔ حضرت بغاوت وہ چیز ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے سارے کمالات گرد ہوجاتے ہیں۔ اور اطاعت وہ چیز ہے کہ اس کے

ہوتے ہوئے سارے جرائم خفیف ہوجاتے ہیں۔ مگر خفیف کے معنی بالکل ہیچ اور معمولی اور ہلکا نہ سمجھئے گا بلکہ یہ خفیف بمقابلہ بغاوت کے ہے۔ ورنہ یہ بھی فی نفسہٖ ثقیل وشدید ہے۔ دیکھو اگر کوئی چوری کرے تو بادشاہ اسے سزا دے گا۔ مثلاً سات برس جیل میں مشقتیں اٹھانی پڑیں گی مگر اس مدت کے بعد پھر رہائی ملے گی، اور کسی وقت بادشاہ کو خوش کر کے کسی عہدہ پر بھی پہنچ سکتا ہے۔ اور باغی اگر ہاتھ آوے گا تو یا تو قتل کیا جاوے گا، یا کم از کم دائم الحبس (۱) سے ادھر تو رہے ہی گا نہیں کبھی اس کی رہائی نہ ہوگی، اسی طرح کوئی مسلمان گنہگار ہو تو وہ خاص مدت تک دوزخ میں رہ کر پھر جنت میں چلا جاوے گا مگر کفار کو کبھی رہائی نہ ہوگی۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دوزخ ان کا ٹھکانہ ہے۔ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا (۲) تو اس لیے اس مجوسی کا یہ کہنا کہ اس سے تو ہم ہی اچھے ہیں یقیناً غلط تھا۔ مگر میرا مقصود اس حکایت سے یہ ہے کہ ہماری حالت ایسی کیوں ہے جس پر ایک کافر نے یہ کہہ دیا کہ تم سے تو ہم ہی اچھے ہیں۔

صرف ہمت

صاحب ہماری حالت دیکھ کر اس گبر (۳) کو مسلمان ہونے سے عار آئی۔ اس کا یہ کہنا کہ بایزید جیسا مسلمان ہوا نہیں جاتا۔ یہ کہنا بھی اس کا غلط تھا۔ کیونکہ اگر بایزید جیسا ہونا محال ہے پھر وہ کیسے ہوئے وہ کوئی نبی تو نہ تھے ان کے پاس وحی تو آتی نہ تھی۔ بس انہوں نے ذرا توجہ کی اور نفس کی مخالفت کی، مجاہدے کئے بایزید ہوگئے۔ تم بھی اگر توجہ کروگے ذرا ہمت سے کام لوگے بایزید ہوسکتے ہو، ورنہ باحذف ہوکر یزید ہوجاؤ گے جو ترکیب بایزید نے کی تھی تم بھی کرو بایزید ہوجاؤ گے۔ وہ ترکیب کیا ہے، اس کا نام ہے ہمت۔ ہمت سے کام لو، اوامر کو بجالاؤ، منہیات سے برطرف رہو۔

بزرگی کے معنی

اگر کوئی کہے ہمیں تمام رات جاگنے کی ہمت تو ہے نہیں۔ یہ تو مشکل کام ہے۔ سو اس کا شرط لازم ہونا ہی غلط بات ہے۔ رات بھر جاگنے کو کون کہتا ہے۔ خربوزے اور تربوز چھوڑنے کو کس نے کہا، اناج غلہ چھوڑ دینے کو بزرگی کس نے کہا، اس کو بزرگی

(۱) عمر قید سے کم سزا نہ ہوگی (۲) ''دوزخ کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے'' سورۃ الجن: ۲۳ (۳) آگ پرست۔

نہیں کہتے۔ بزرگی کے معنی ہیں خدا کے اوامر کا امتثال کرنا (۱) اور منہیات کو چھوڑنا (۲) کھانا پینا چھوڑنے کو کون کہتا ہے خوب کھاؤ پیو۔ بایزید کو نوافل پڑھنے کی ہمت تھی، ان کے قویٰ تھی وہ زیادہ مجاہدے کر سکتے تھے اس لیے کیئے۔ اور ہم کو صرف فرائض، واجبات وسنن ادا کرنے کی ہمت ہے کیونکہ ہمارے قویٰ کمزور ہیں۔ تو ہمارے لیے یہی کافی ہے۔ اگر کوئی کہے کہ صاحب ہم کو تو سب فرائض کی بھی قدرت نہیں چار وقت کی قدرت ہے۔ فجر، ظہر، عصر، مغرب، باقی عشاء کی طاقت نہیں ہے نیند سے مغلوب ہوجاتے ہیں تو وہ غلط کہتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو فرماوے کہ تم کو قدرت ہے اور تم خدا کی بات کو غلط کرنا چاہتے ہو۔ رہا یہ کہ حق تعالیٰ نے کہاں فرمایا ہے۔ سنئے ارشاد فرماتے ہیں۔ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا (۳) کہ اللہ تعالیٰ نے وسعت وطاقت سے زیادہ کسی کو کسی حکم کا مکلف نہیں فرمایا معلوم ہوا کہ جملہ اوامر شرعیہ داخل قدرت بشریہ (۴) ہیں اور انہی میں سے عشاء کی نماز بھی ہے۔ تو قرآن سے معلوم ہوا کہ یہ سب داخل قدرت ہے اور یہ شخص کہتا ہے کہ مجھے قدرت نہیں، جھوٹا ہے۔ یا کسی نے نہیں کہا تھا کہ صبح کو تو آنکھ نہیں کھلتی اور آنکھ کھلنا اختیار میں نہیں، اول تو ہم اس عذر کو مانتے ہیں کیونکہ تجربہ ہے اگر اس شخص کو جو کہ یہ کہتا ہے کہ صبح کو آنکھ نہیں کھلتی۔ ریل پر جانا ہو تو کیسے جلدی چار بجے اٹھ کر اسٹیشن پر پہنچتا ہے۔ اگر سویرے اٹھنا اختیار اور قدرت میں نہیں تو آج کیسے اٹھ بیٹھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بات دل کو لگی ہوئی تھی۔ اس لیے آنکھ کھل گئی۔ اور نماز دل کو لگی ہوئی نہیں اس لیے آنکھ نہیں کھلتی۔ ورنہ ممکن نہیں کہ صبح ہو اور آنکھ نہ کھلے۔ مگر خیر ہم نے آپ کے اس عذر کو بھی مانا۔ مگر کیا یہ بھی قدرت سے خارج ہے کہ سورج نکلنے کے بعد ہی فوراً پڑھ لو، قضا ہی سہی صبح کی نماز وسعت سے کہاں خارج ہوئی۔

بہرحال اپنی وسعت کے موافق کرتے رہو جو تم سے بن پڑے کئے جاؤ۔ یہ کون کہتا ہے کہ وسعت سے زائد کرو۔

شیوخِ محققین کی وصیت

بلکہ شیوخ محققین کی اس بارہ میں وصیت ہے کہ طالب کو اس کی ہمت سے

(۱) احکام الٰہی کو بجالانا (۲) ممنوعات کو چھوڑنا (۳) سورۃ البقرۃ: ۲۸۶ (۴) تمام شرعی احکام کا بجالانا انسان کی قدرت میں ہے۔

زیادہ بتلانا ہی نہ چاہیے۔ عارف شیرازی فرماتے ہیں۔

خستگان را چو طلب باشد وہمت نبود گر تو بیداد کنی شرط مروت نبود (۱)

اور مولانا ؒ فرماتے ہیں:

چار پارا قدر طاقت بار نہ برضعیفاں قدر ہمت کارنہ (۲)

اور فرماتے ہیں:

طفل را گرنان دہی برجائے شیر طفل مسکین را ازاں نان مردہ گیر (۳)

اور فرماتے ہیں:

غرض اس طریق میں ہر شخص کو اس کی طاقت کے موافق کام دیا جاتا ہے۔ تو اب اگر یہ طریق اختیار کروگے تو بایزید سے بھی افضل ہوسکتے ہو۔ باوجود کم محنت کرنے کے۔ تو اس گبر کا یہ کہنا کہ بایزید جیسا ہونا محال ہے یہ بھی ٹھیک نہیں۔ یہ تو قصہ تھا، باقی مقصود میرا اس قصہ سے یہ ہے کہ ہماری حالت ایسی ہوگئی کہ اس کو دیکھ کر دوسروں کو اسلام لانے سے عار آتی ہے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ بعضے مسلمان، قوم کی مجموعی حالت کو دیکھ کر اسلام کو بے وقعت سمجھنے لگے۔ ہمارے وطن کا ایک قصہ ہے کہ ایک انگریز میرے پاس مسلمان ہونے کو آیا وہ کسی عہدہ پر تھا۔ آپ کو مسلمان ہونے کا جوش اٹھا۔ نوکری چھوڑ کر مسلمان ہونے کو آئے۔ آجکل لوگوں میں یہ بھی ایک دستور ہوگیا ہے کہ ذرا سی بات پر نوکری چھوڑ دیتے ہیں۔ خدا جانے نوکری ان کو کیا کہتی ہے۔ کیا نوکری اللہ اللہ کرنے کو منع کرتی ہے۔ خیر یہ تو ایک کم سمجھ کا واقعہ تھا۔ ایک سمجھ دار کا قصہ بیان کرتا ہوں۔ ایک مولوی صاحب کانپور کے ایک مدرسہ میں تھے، پڑھتے بھی تھے اور ایک رئیس زادہ کے جو اس مدرسہ میں پڑھتا تھا، اتالیق تنخواہ دار بھی تھے۔ انہوں نے ایک دفعہ ایک خواب دیکھا کہ حشر برپا ہے حساب کتاب ہورہا ہے، اس خواب میں اپنی ایک بری حالت معلوم ہوئی۔ وہ خواب سے بہت پریشان ہوئے اور مجھ سے کہنے لگے کہ اگر آپ کہیں تو نوکری چھوڑ

(۱) ''کمزوروں کو جب طلب ہو اور قوت نہ ہو تو ان کی قوت سے زیادہ کام لینا ظلم ہے جو شرط مروت کے خلاف ہے'' (۲) ''چوپایوں پر ان کی طاقت کے موافق بوجھ رکھ۔ کمزوروں سے طاقت کے موافق کام لو'' (۳) ''شیر خوار بچہ کو اگر دودھ کی جگہ روٹی دینے لگے تو وہ غریب اس روٹی سے مرہی جائے گا''۔

دوں۔ خدا جانے اس کو خواب کی برائی سے کیا تعلق تھا، نہ معلوم نوکری چھوڑنے میں کیا رکھا ہے، اس سے کیا مل جاتا ہے۔ لوگ نوکری چھوڑنے کو اور متعلقین سے بے پرواہ ہوجانے کو بڑی بزرگی سمجھتے ہیں۔ جب میں نے منع کیا تو رک گئے میں ایک مرتبہ میرٹھ اپنی اہل خانہ کا علاج کرانے کے واسطے گیا۔ وہاں پر ایک عورت مجھ سے مرید ہونے کو آئی۔ تو اس کو دوسری عورتوں نے کہا کہ تو ان سے مرید مت ہو بلکہ ہمارے پیر سے مرید ہونا وہ بڑے بزرگ ہیں، پچاس برس سے بیوی سے بات تک نہیں کی اور یہ تو علاج کے لیے بیوی کو ساتھ ساتھ لئے پھرتے ہیں۔ وہ عورت فہیم تھی (۱) کہنے لگی اس کی یہ رائے تھی کہ اس سے تو مرید ہونا جائز نہیں کیونکہ پچاس برس تک بیوی سے نہ بولنا اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ وہ پچاس برس سے گناہ میں مبتلا ہے کیونکہ بیوی کے حقوق ادا کرنا واجب ہے تو جو اتنا بڑا گنہگار ہو اس سے مرید ہونا کہاں جائز ہے۔ بعض لوگوں کے نزدیک اناج نہ کھانا بڑی بزرگی ہے۔ چنانچہ بعض دوکاندار پیر ایسے دیکھے گئے ہیں جن کی یہ کرامت مشہور ہے کہ وہ اناج نہیں کھاتے۔ افسوس ان لوگوں نے حلال کو چھوڑ کر حرام کو اختیار کیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے اناج کھانا (جو کہ حلال تھا) اس لیے چھوڑا تا کہ شہرت حاصل ہو (جس کی طلب حرام ہے) کہ لوگ یوں کہیں کہ یہ بڑے بزرگ ہیں کچھ کھاتے ہی نہیں۔

جوش و ہوش

غرض آج کل جہاں بزرگی کا جوش اٹھا یا بی بی کو چھوڑا یا نوکری چھوڑ دی۔ میاں اطاعت وہ چیز ہے کہ سلطنت کے ساتھ بھی ہوسکتی ہے۔ اور اگر کسی نے سلطنت کو چھوڑا ہے تو وہ غلبہ حال اور جوش میں چھوڑا ہے۔ اور جوش کی حالت حجت نہیں ہوتی بلکہ ہوش کی حالت حجت ہوتی ہے۔ پھر جوش میں بھی ان کو ہی ترک علائق کی (۲) اجازت تھی۔ تم کو اجازت نہیں۔ تمہارے لیے ملازمت چھوڑنا جائز نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ قوی القلب تھے سلطنت کو چھوڑ کر پچتائے نہیں۔ تم ان کی کیا ریس کرتے ہو کہ آج نوکری چھوڑو کل کو پچتانے لگو کہ ہائے اب کیسے گزر ہوگی۔ ہم نے یہ کیا بے وقوفی کی۔ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ جب سلطنت چھوڑ کر نکلے تو یہ حالت تھی۔

(۱) عقلمند تھی (۲) ترک تعلقات

لنگکے زیرو لنگکے بالا نے غم دزد ونے غم کالا (۱)

مگر اس قدر مستغنی تھے کہ حال سلطنت میں بھی اتنے مستغنی نہ تھے۔ جب سلطنت چھوڑ کر گئے تو ایک کنویں میں وضو کرنے کے لیے ڈول ڈالا اس کو جو کھینچا تو بڑا وزنی معلوم ہوا۔ جب نکالا تو دیکھا کہ وہ دراہم سے بھرا ہوا ہے، اس کو الٹ دیا اور پھر ڈالا تو سونا بھرا ہوا آیا۔ اس کو بھی الٹ کر پھر کھینچا تو جواہر سے لبریز تھا رونے لگے اور جناب باری میں عرض کیا کہ آپ میرا امتحان لیتے ہیں۔

امتحان کے لائق تو نہیں لیکن میرے قلب میں اگر ان کی قدر ہوتی تو سلطنت ہی کیوں چھوڑتا۔ میرا امتحان نہ لیجئے۔ اپنی رحمت کے صدقہ مجھے پانی دے دیجئے، مجھے وضو کرنا ہے، نماز کا وقت تنگ ہوا جاتا ہے۔ دیکھو ان کا دل کتنا قوی تھا۔ اور اب تو یہ حال ہے کہ اگر نوکری بھی چھوڑی تو اس لالچ میں چھوڑتے ہیں کہ اس سے زیادہ ملے اور لوگ بزرگ سمجھ کر ہدیئے تحفے زیادہ دیں۔ چنانچہ ایک بیرسٹر کا قصہ ہے کہ اس نے ان تحریکات میں نوکری چھوڑی اور ایک انجمن کا صدر ہوگیا۔ بس ہزاروں روپے اس بہانے سے کمالیے اور ساتھ کے ساتھ نیک نام بھی ہوگئے کہ ایسے خادم اسلام ہیں کہ بیرسٹری چھوڑ کر انجمن کی خدمت کے لیے تیار ہوگئے۔ سبحان اللہ دین کا بہت ہی خیال ہے۔ یہ حقیقت تھی ان کے اسباب معاش چھوڑنے کی۔ مگر حقیقت شناس اس حالت میں بھی پرکھ لیتے ہیں۔ پرکھنے پر سرسید کی ایک بات یاد آئی۔ گو ہم ان کے مخالف ہیں مگر انصاف یہ ہے کہ جیسے ان کے عیوب کو ہم ظاہر کرتے ہیں ویسے ہی اگر ان میں کوئی خوبی ہو تو اس کو بھی ظاہر کردینا چاہیے۔

عیب مئے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو نفی حکمت مکن از بہر دل عامی چند (۲)

قرآن شریف کا بھی یہی طرز ہے فرماتے ہیں: يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ (۳) اے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے سوال شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ فرمائیں کہ ان دونوں میں گناہ بہت بڑا ہے اور لوگوں کا نفع کم ہے۔ اور فرماتے ہیں وَمِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ

(۱) ''ایک چادر اوپر ایک نیچے نہ ڈاکو کا ڈر نہ چور کا کھٹکا'' (۲) ''عیب تو سب بیان کردیئے اب اس کی خوبیاں بھی بیان کرو چند عامی لوگوں سے ہر ایک سے حکمت کی نفی نہ کرو'' (۳) سورۃ البقرۃ:۲۱۹۔

مَنْ إِن تَأْمَنْهُ بِقِنطَارٍ يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ وَمِنْهُم مَّنْ إِن تَأْمَنْهُ بِدِينَارٍ لَّا يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا (۱) (۱۲ظ) غرض سرسید امور دنیا میں بڑے عاقل اور مسلمانوں کے محب اور بہت خیر خواہ تھے۔ گو وہ محبت بوجہ دین کی کمی کے ناداں دوست کی سی محبت ہوگئی تھی۔ بس ان میں قلت دین کا عیب ضرور تھا، لیکن بہت سی خوبیاں بھی تھیں گو اس عیب نے سب خوبیوں پر پانی پھیر دیا تھا۔ غرض ان سے کسی نے کہا کہ فلاں مقام پر ایک بزرگ ہیں ان سے آپ ملئے وہ بڑے متوکل شخص ہیں۔ اس نے کہا ہاں میں بھی ان کو جانتا ہوں، یہ بھی ایک دنیا کمانے کی ترکیب ہے کہ لوگ ہم کو متوکل سمجھ کر زیادہ ہدایا تحائف پیش کریں گے۔ خیر ان کا حال تو معلوم نہیں کہ وہ کس لیے بیٹھے تھے۔ لیکن بہت سے لوگ واقعی اس کو ترکیب طلب دنیا ہی کی سمجھتے ہیں۔ بہتوں نے اس کو حصول دنیا کا ایک ذریعہ بنا رکھا ہے تو ایسے لوگوں کو ضرورت ہی کیا نوکری چھوڑنے کی۔ کیونکہ چھوڑ کر بھی دنیادار ہی رہے۔ اس سے تو نہ چھوڑنا ہی اچھا ہے کہ جھوٹے دعوے سے تو بچیں۔ الغرض سلف کے قلوب قوی تھے۔ وہ چھوڑ کر گھبراتے نہ تھے۔ ان کے لیے ملازمت چھوڑ دینا بجا تھا۔ اور ہم ضعیف ہیں ہمارے قلوب بھی ضعیف ہیں۔ آج ہم اگر ملازمت سے استعفاء دیں تو کل کو پچھتانے لگیں۔ اس لیے ہمارے لیے ملازمت چھوڑ دینا بے جا ہے۔ ہم کو چاہیے کہ جب اس کا جوش اٹھے، اس وقت ہوش سے کام لیں۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ کسی مقتداء کی رائے پر عمل کریں جو وہ کہے اس کو اختیار کریں۔ اپنی رائے کو اس میں اصلاً دخل نہ دیں کیونکہ مریض کی بدبختی ہے علاج میں اپنی رائے پر عمل کرنا۔ اور خوش قسمت ہے وہ مریض جو اپنے کو طبیب کے حوالے کردے اور اس کے کہنے کے موافق عمل کرے۔

مولویوں کے فتویٰ کفر دینے کی حقیقت

غرض وہ عہدہ دار انگریز نوکری چھوڑ کر آیا تھا اس کے چند شبہات تھے وہ کہتا

(۱) ''اور اہل کتاب میں سے بعض شخص ایسا ہے کہ اگر تم اس کے پاس انبار کا انبار مال بھی امانت رکھ دو تو وہ اس کو تمہارے پاس لا رکھے، اور ان ہی میں سے بعض وہ شخص ہے کہ اگر تم ان کے پاس ایک دینار بھی امانت رکھ دو تو وہ بھی تم کو ادا نہ کرے مگر جب تک کہ تم اس کے سر پر کھڑے رہو'' سورۃ آل عمران: ۷۵۔

تھا اگر وہ شبہے رفع ہوجاویں تو میں مسلمان ہوجاؤں گا۔ جب وہ تھانہ بھون آیا تو اتفاق سے میں اس زمانے میں مکان پر نہ تھا۔ اس انگریز کی قصبہ میں ایک جنٹلمین صاحب سے ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے اس انگریز سے سوال کیا کہ تم مسلمان ہوکر کیا کروگے جہاں پہلے سے دس بدمعاش ہیں۔ وہاں تم بھی ایک اور بڑھ جاؤگے۔ اب گیارہ ہوجاویں گے۔ استغفراللہ استغفراللہ گویا ان کے نزدیک اسلام نام بدمعاشی کا ہے۔ افسوس کس قدر شنیع (۱) کلمہ ہے۔ پھر لوگ کہتے ہیں کہ مولوی مسلمانوں کو کافر بناتے ہیں۔ ارے ظالمو! مولویوں کی کیا خطا ہے۔ جب تم خود ہی کافر بنتے ہو۔ اب اگر کوئی مولوی ایسی بیہودہ باتوں پر تم کو کافر کہہ دے تو اس بے چارے کی کیا خطا؟ وہ کیا کرے مولویوں کا کافر بنانا بالکل ایسا ہے، جیسے ایک رئیس نے اپنے مہمان کو مخنث بنایا تھا یعنی مخنث وہ خود بنا تھا۔ رئیس نے اسی کے لوازم ظاہر کردیئے۔ قصہ یہ ہے کہ ایک رئیس کے پاس ایک جاہل شخص گیا۔ وہاں کچھ اور مہذب بھی تھے، جنہوں نے کچھ دیر تک باتیں کیں۔ جاتے وقت ایک نے کہا کہ میں جناب سے اب مرخص (۲) ہوتا ہوں۔ اس اناڑی نے بھی اس لفظ کو سنا، آپ نے اس کو یاد کرلیا کہ جاتے وقت یوں کہا کرتے ہیں۔ اب آپ کے رخصت کا وقت آیا تو فرماتے ہیں کہ صاحب اب میں مخنث (۳) ہوتا ہوں۔ اس نے کہا اپنی چیز ہے آپ کو اختیار ہے۔ چاہے رکھئے چاہے الگ کردیجئے۔ بتلایئے اس صورت میں اگر وہ اناڑی یہ کہنے لگا کہ واہ صاحب تم نے تو مجھے ہیجڑا ہی بنادیا۔ تو اس رئیس کی کیا خطاء؟ تم تو خود اپنی زبان سے مخنث بن گئے اس نے کہاں بنایا۔ اسی طرح مولوی صاحب کسی کو کافر نہیں بناتے۔ لوگ خود کافر بنتے ہیں، مولوی لوگ بتلادیتے ہیں، بلکہ وہ تو مسلمان بناتے ہیں۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ بس حکم کردیتے ہیں انت مسلم کہ تم مسلمان ہو۔ بلکہ مسلمان بنانے سے مراد یہ ہے کہ اسلام کا امر کرتے ہیں، بس بنانے کے یہ معنی ہیں۔ سو اس معنی میں وہ کسی کو کافر نہیں بناتے یعنی کسی کو کفر کا امر نہیں کرتے۔ البتہ اگر کوئی کافر ہوگیا ہو تو اس پر حکم لگادیتے ہیں کہ کفرت انت کہ تم کافر ہوگئے فتب الی اللّٰہ وجدد اسلامك خدا سے توبہ کرو اور اسلام ونکاح کی تجدید کرو۔ غرض وہ کافر ہونے کو ظاہر کردیتے ہیں، اور اس کے متعلق احکام کا

(۱) برا (۲) رخصت چاہتا ہوں (۳) ہیجڑا بنتا ہوں۔

امر کرتے ہیں کہ اس وقت تم کو ایسا کرنا چاہیے۔ حاصل یہ کہ وہ کافر بناتے نہیں (نون سے) بلکہ بتاتے ہیں (تا سے) ایک نقطہ کا فرق ہے۔

روحانی قوت

میں تنبیہ سے پہلے اس کو بیان کر رہا تھا کہ اسلام کی حفاظت ایک اندرونی ہے ایک بیرونی۔ اور زیادہ اہم اول ہے۔ اگر ہم اس کا اہتمام کرلیں۔ تو اغیار خود پست ہوجائیں اور بدون اس کے محض دوسری قسم میں کوشش کرنا ایسا ہے جیسے اپنے پاس ہتھیار نہیں، خزانہ نہیں پھر دشمن کا مقابلہ۔ میں تلوار بندوق توپ کمان کو ہتھیار نہیں کہتا۔ بلکہ ہتھیار سے مراد یہ ہے کہ ہمارے پاس اعمال نہیں ہیں۔ ہمارے اعمال، اخلاق معاشرت بالکل گندے ہیں۔ اگر ہمارے یہ ہتھیار تیز ہوں تو دوسرا کبھی حملہ نہ کرسکے۔ اس کو لڑنے کی ہمت ہی نہ ہوگی۔ خدا کی قسم کہ ہمارا اسلام کامل ہوتا۔ (اعمال ٹھیک ہوتے تو کسی کو کبھی ہمت بھی نہ ہوتی کسی مسلمان کی طرف نظر اٹھانے کی کبھی اس کا وسوسہ بھی ان کے دل میں نہ آتا۔ بس اس لیے میں کہتا ہوں کہ اس کی تم کو زیادہ ضرورت نہیں کہ کسی سے لڑو بھرو۔ اس کی طرف التفات ہی نہ کرو۔ ہاں تم ایسے بن جاؤ کہ ان کو تمہارے مقابلہ کی ہمت ہی نہ رہے۔ اگر تم اپنے اعمال ٹھیک کرلوگے شریعت کے پورے متبع ہوجاؤگے، معاشرت، معاملات، اخلاق کو درست کرلوگے، تو وہ کسی مسلمان کو تو کیا مرتد بناتے ادھر رخ کرنے کی بھی ہمت نہ ہوگی۔ غرض اول اندرونی محافظت کرو اس کی زیادہ ضرورت ہے۔ صاحبو! ہم کو اس روحانی محافظت کی ضرورت ہے۔ خارجی تدابیر کی زیادہ ضرورت نہیں۔ یاد رکھو کہ یہ روحانی طاقت بہت بڑی پہرہ دار ہے۔ چنانچہ کانپور میں میرے ایک دوست تھے۔ ان کے پڑوس میں ایک عیسائی رہتا تھا۔ وہ ان کو عیسائی بننے کی ترغیب دیتا تھا، مگر ان پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا۔ وہ ہیڈ کانسٹیبل تھے طرح طرح سے ان کو سمجھاتا۔ نصرانیت کے فوائد بتلاتا کہ اگر عیسائی ہوگئے تو تمہاری بڑی وقعت ہوگی، وقار ہوگا، مگر یہاں وہی ہنوز روز اول تھا۔ آخر اس نے ایک دن باتوں باتوں میں پوچھا کہ تم کسی بزرگ سے مرید ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں کسی سے مرید تو ہوں نہیں۔ البتہ حضرت مولانا گنگوہی سے حسن عقیدت رکھتا ہوں۔

ان سے مجھے محبت ہے وہ کہتے تھے کہ جس روز سے اس کو معلوم ہوا کہ میں مولانا گنگوہی کا معتقد ہوں، اس روز سے اس کو مایوسی ہوگئی۔ پھر اس نے کبھی مجھ کو عیسائیت کی ترغیب نہیں دی۔ بس وہ حالت ہوگئی، اَلْیَوْمَ یَئِسَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ دِیْنِکُمْ (۱) آج کے روز کافر لوگ تمہارے دین سے مایوس ہوگئے۔ الآیۃ دیکھئے حالانکہ پولیس کے غوائل (۲) کے سبب ان کا اسلام خود کامل نہ تھا۔ مگر ایک کامل الاسلام سے ان کا تعلق تھا۔ صرف اس تعلق کی وجہ سے مخالف ان سے مایوس ہوگیا اور سمجھ گیا کہ ان کو عیسائی بنانا مشکل ہے۔ جب صرف ایک کامل الاسلام کے ساتھ تعلق کا یہ اثر ہے۔ پھر اگر کوئی خود کامل الاسلام بن جاوے، نماز روزہ ادا کرے، زکوٰۃ دے، حلال حرام کا خیال رکھے، ہر کام دین کے موافق کرے کوئی بات خلاف شرع اس سے صادر نہ ہو تو دوسرا شخص دیکھتے ہی سمجھ لے گا کہ یہ کامل الاسلام ہے۔ پورا مذہبی شخص ہے۔ اس کے دندان آز (۳) اُس کی طرف کبھی تیز نہ ہوں گے بلکہ کند ہوجاویں گے۔ پکے مسلمان پر کبھی کسی کافر کو بہکانے کی ہمت نہ ہوگی۔ اس کو کبھی نہیں چھیڑے گا بلکہ کوسوں الگ رہے گا۔

اصل علاج

ہم کو خود اپنی حالت کی فکر نہیں۔ سراپا امراض میں مبتلا ہیں۔ لیکن اس کا علاج نہیں کرتے۔ اب اگر علاج کی فکر ہوئی تو کیا کیا دوسرے سے لڑائی بھڑائی شروع کردی۔ غرض جو اصل علاج تھا (یعنی اپنے اعمال کی اصلاح)۔ اس کو تو پس پشت ڈال دیا اور جو حقیقت میں علاج نہیں اس کے درپے ہوگئے۔ ہماری وہ حالت ہوگئی جس کو مولانا ایک کنیز کے بارے میں فرماتے ہیں۔

ہرچہ کردند از علاج وازدوا رنج افزوں گشت وحاجت ناروا(۴)

پھر آگے اس کی وجہ بتلاتے ہیں۔

بے خبر بودند از حال درون استعیذ اللّٰہ مما یفترون(۵)

(۱) المائدہ: ۵/ ۳ (۲) برائیوں کی وجہ سے (۳) حرص (۴) ”جو کچھ علاج اور دوا کی مگر اس سے مرض میں اضافہ ہوا اور حاجت پوری نہ ہوئی“ (۵) ”وہ لوگ اندرونی حالت (باطنی) سے بے خبر ہیں اور جو کچھ غلط بیانی کرتے ہیں اس سے میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں“۔

اور اسی کو طبیب الٰہی نے کہا تھا۔

گفت ہر دارو کہ ایشاں کردہ اند آں عمارت نیست ویراں کردہ اند(۱)

تو جیسے وہاں جتنی دوائیں کی گئیں وہ سب ناکافی تھیں۔ اسی طرح ہم بھی صدہا علاج کرتے ہیں مگر ایک بھی کارآمد نہیں، کیونکہ جو اصلی علاج ہے اس کی خبر ہی نہیں۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے کہ اصل علاج سے غافل ہیں اور جو علاج نہیں ہے اس میں مشغول ہیں۔ اس وقت اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ہماری عادت یہ ہوگئی ہے کہ ہم کو اپنے گھر کی بات تو ناپسند ہے اور غیروں کے گھر کی بات پسند ہے بس جو غیروں کو کرتے دیکھا وہی خود کرنے لگتے ہیں۔ اول تو کچھ کریں گے ہی نہیں اور جو کریں گے بھی تو غیروں کو دیکھ کر۔ جو وہ کریں یہ بھی وہی کریں گے سو یہ تو ان کا پورا اتباع ہوگیا۔ مثلاً تبلیغ اسلام ہی کا کام ہے اول تو کسی کو اس کا خیال ہی نہ تھا، ہوش ہی نہ تھا مدہوش پڑے تھے۔ اب جو دوسری قوم کی سعی دیکھی تو ہوش ہوا۔ اور اشاعت اسلام کی سعی کرنے لگے۔ مگر اس چال سے چلے جو دوسری قوم نے چلی تھی۔

اہل کفر کو کفر سے مناسبت

صاحبو! اس طرح سے ہر بات میں دوسری قوم کا اتباع۔ اس کے تو معنی یہ ہوئے کہ ہمارے مذہب میں ہمارے اسلام میں کام کرنے کا کوئی طریق ہی نہیں۔ نعوذ باللہ کس قدر غلط خیال ہے؟ پھر نتیجہ یہ ہے کہ جو کچھ ہم دوسروں سے لیتے ہیں، ہم کو اس میں کامیابی نہیں ہوتی اور ان کو ہوجاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تدابیر ان کے لیے ہی مناسب ہیں۔ ہمارے لیے بالکل مناسب نہیں۔ کیونکہ وہ مذہب باطل ہے۔ اس کی تعلیم بھی باطل ہے، وہ اہل باطل ہیں ان کی تدابیر بھی باطل ہیں۔ باطل کو باطل ہی سے مناسبت ہے اس لیے ان کا کام بن جاتا ہے۔ اور ہمارا مذہب حق ہے، ہم اہل حق ہیں ہم کو تدبیر باطل کافی نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا ان میں ہمیں ناکامی ہوتی ہے۔ پس اہل حق کو تدابیر بھی حق ہی کرنا چاہئیں۔ حق کو باطل سے مناسبت کیسے ہو۔ حق کو حق ہی سے مناسبت ہوتی ہے۔ اور باطل کو باطل سے۔ یاد رکھو تدابیر اہل کفر سراسر دنیا ہیں۔ مسلمانوں کو وہ تدبیریں راس نہیں آسکتیں۔ اور کفار کا دنیا سے

(۱) ”کسی نے کہا انہوں نے جو بھی دوا کی وہ آباد کرنا نہیں ہے انہوں نے ویران ہی کرنا ہے“۔

تناسب نقل سے (۱) ثابت ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں ہے قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلًا ثُمَّ أَضْطَرُّهُ إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ (۲) اور جو شخص کفر کرے تو اسے تھوڑے روز آرام پہنچاؤں گا پھر اس کو کشاں کشاں دوزخ میں پہنچاؤں گا جو برا ٹھکانہ ہے۔

یہ ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں ہے، اس سے اوپر یہ ارشاد ہے، وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ ط قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا (۳) کہ حق تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو چند احکام میں آزمایا اور جب اس میں پورے اتر گئے تو خطاب فرمایا کہ میں تم کو لوگوں کا امام اور مقتداء بناؤں گا۔ قَالَ وَمِن ذُرِّيَّتِي ابراہیم علیہ السلام نے کہا اور میری اولاد میں سے بھی بعض کو امام اور پیشوا بنائیے۔ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ (۴) ارشاد ہوا کہ امامت ظالم کافر کو نہیں مل سکتی یعنی ذریت میں سے۔ پھر مناسبت مقام سے درمیان میں خانہ کعبہ کا ذکر فرمایا ہے۔ وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا (۵) کہ ہم نے خانہ کعبہ کو مقام امن اور لوگوں کا مرجع فی العبادت بنادیا۔ وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى الآیۃ (۶) اس کے آگے ہے وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا بَلَدًا آمِنًا کہ یا اللہ اس مقام کو امن والا شہر کردے، وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ اور اس کے رہنے والوں کو پھل بھی دے۔ مَنْ آمَنَ مِنْهُم بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ۔ جو اللہ پر اور قیامت پر ایمان لاوے۔ آپ نے ثمرات دنیوی کو دینی امامت پر قیاس کیا وہاں حکم ہوا تھا لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ کہ کافر ظالم کو امامت اور نبوت نہیں مل سکتی۔ آپ نے اس پر قیاس کیا کہ شاید نعمت دنیوی بھی کافر کو نہ ملے اس لیے دعا میں مَنْ آمَنَ مِنْهُم بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ (ان میں سے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لائے) کی قید لگادی تاکہ بے ادبی کا احتمال نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا قَالَ وَمَن كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلاً ثُمَّ أَضْطَرُّهُ إِلَى عَذَابِ النَّارِ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ عام مفسرین نے تو اس کی اور تفسیر کی ہے۔ مگر حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے تفسیر

(۱) کفار کو دنیا سے مناسب ہونا قرآن سے ثابت ہے (۲) البقرہ: ۲/ ۱۲۶ (۳) البقرہ: ۲/ ۱۲۴ (۴) البقرہ: ۲/ ۱۲۴ (۵) البقرہ: ۲/ ۱۲۵ (۶) البقرہ: ۲/ ۱۲۵۔

مظہری میں ایک عجیب تفسیر کی ہے۔ عام مفسرین نے تو یہ تفسیر کی ہے کہ یہ معمول ہے ارزق مقدر کا یعنی وارزق من کفر کہ میں کافر کو بھی رزق دوں گا۔ آگے اس کی تفصیل ہے فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلاً ثُمَّ أَضْطَرُّهُ إِلَى عَذَابِ النَّارِ (پس ایسے شخص کو تھوڑے روز تو خوب آرام برتاؤں گا پھر اس کو کشاں کشاں عذاب میں پہنچاؤں گا) اس تفسیر کے موافق گویا من کفر پر جملہ ختم ہوگیا۔ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلاً (پس اس کو تھوڑے روز آرام پہنچاؤں گا) الخ الگ جملہ ہے۔ اور قاضی ثناء اللہ صاحب نے کہا ہے کہ من مبتدا ہے اور فَأُمَتِّعُهُ خبر ہے یا یوں کہو کہ من شرطیہ ہے اور أُمَتِّعُهُ اس کی جزا ہے۔ خواہ من کو مبتدا مانو یا شرطیہ، اور امتعہ کو خبر بناؤ یا جزا دونوں جائز ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ جملہ مستقلہ ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جو کفر کرے گا اس کو دنیا سے متمتع کروں گا، اور قلیلاً قید واقعی ہے۔ کما قال تعالیٰ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ (آپ ﷺ فرمادیں کہ دنیا کا سازوسامان بہت کم ہے) اب اس پر ایک سوال ہوتا ہے کہ اس تقریر کا تو حاصل یہ ہوا کہ جو کفر کرے گا اسی کو متاع حاصل ہوگی تو کیا کفر سبب تمتیع (۱) کا ہے؟ قاضی صاحب نے اس کا جواب دیا ہے۔ کہ دنیا کو مومن سے کم مناسبت ہے اور کافر سے زیادہ مناسبت ہے۔ یہ ایسی بات ہے جیسے ارشاد ہے الْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَاتِ (گندی عورتیں گندے مردوں کے لائق ہوتی ہیں اور گندے مرد گندی عورتوں کے لائق) کہ خبیث کو خبیث ہی ملا کرتا ہے۔ دنیا خسیس ہے اور کفار بھی خسیس ہیں۔ لہٰذا ان میں باہم تناسب ہے۔ اور مومن شریف ہے اور دنیا خسیس ہے، لہٰذا ان میں باہم تناسب نہیں ہے۔ میں نے اسی تفسیر پر دعویٰ کیا تھا کہ کفار کا دنیا سے تناسب نقل سے ثابت ہے۔ اس لیے تدابیر باطلہ کفار کے لیے مفید ہیں۔ بخلاف اہل اسلام کے ان کے لیے تو وہی تدابیر نافع ہوں گی جو اسلام کے مناسب ہیں، وہ تدابیر کیا ہیں وہ وہ ہیں جو اللہ میاں نے بیان فرمائی ہیں جن کو میں نے اب بیان کیا ہے کہ اپنی اصلاح کرو، اخلاق کو درست کرو، عقائد واعمال کو سنوارو، اس سے فائدہ یہ ہوگا کہ دوسرے کو تمہارے بہکانے کی طمع نہ ہوگی، دست درازی کی ہمت نہ ہوگی۔ یہ تو اپنا ذاتی فائدہ ہے اپنے نفس کی حفاظت

(۱) فائدے کا سبب۔

ہے، آگے دوسرا درجہ اشاعت اسلام کا ہے اس سے بھی اس میں کامیابی ہوگی۔ کیونکہ اس کا حسن ایسا ہے کہ دوسروں کے دل بھی کھینچتا ہے۔ اگر تمہارے اندر اسلام کے پورے اوصاف پائے جائیں گے۔ اس کے انوار و برکات تم میں جمع ہوجائیں، تو دوسری قومیں خود ہی اس کے اندر آجائیں گی۔ زیادہ بولنے کی بھی ضرورت نہیں رہے گی۔

اسلام اور تلوار

یہ جو مشہور ہے کہ اسلام بزور شمشیر (۱) پھیلا ہے، جس سے مراد مخالفین کی یہ ہے کہ خود اس میں کشش نہیں، بالکل غلط ہے۔ اس دعویٰ کو خود قرآن رد کرتا ہے۔ فرماتے ہیں لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ دین میں کوئی جبر نہیں۔ قرآن تو جبر کی مخالفت کرتا ہے۔ تو کیا بھلا مسلمان قرآن کے خلاف کریں گے اور جبراً مسلمان بنائیں گے ہرگز نہیں۔ خصوصاً صحابہ جو اپنے جان و مال کو اس پر فدا کر چکے حیرت کی بات ہے کہ وہ اس کے خلاف کریں۔ پس سمجھ لو کہ اسلام ہرگز بزور شمشیر نہیں پھیلا بلکہ اس کے کمال ذاتی کو دیکھ کر لوگ خود بخود چلے آئے ہیں۔ اس کی تحقیق بہت آسان ہے وہ یہ کہ اسلام کے قوانین کو دیکھ لو اس سے اندازہ ہوجائے گا کہ بزور شمشیر پھیلا ہے یا نہیں۔ اسلام میں اشاعت اسلام کا قانون یہ ہے کہ جب کسی قوم پر حملہ کرو اول ان پر اسلام پیش کرو کہ ایمان لے آؤ اگر وہ ایمان لے آویں تو وہ تمہارے بھائی ہیں، تم ان کے بھائی ہو، کوئی فرق نہیں، سب برابر ہو۔ اور اگر یہ نہیں کرتے اور اسلام نہیں لاتے تو ان سے کہا جائے گا جزیہ دو تاکہ ہم کو اطمینان ہوجاوے کہ تم ہماری اطاعت کروگے، سرتابی نہ کروگے۔ اصل مقصود تو اطاعت ہے۔ جزیہ اس کی علامت ہے۔ یعنی جزیہ سے معلوم ہوجائے گا کہ تم ہمارے زیر اثر ہوگے، سرکشی اور بدامنی نہ پھیلاؤ گے۔ اگر وہ یہ مان لیں تو اس صورت میں بھی تمہاری اولاد کی طرح ہیں۔ جیسے تم اپنی اولاد کی حفاظت کرتے ہو ایسے ہی ان کی جان و مال کی حفاظت بھی تم پر لازم ہوگئی۔ اور اس حالت میں دیکھو ان کے لیے کس قدر آزادی ہے کہ اپنے دینی احکام کو ان پر جاری نہ کرو، بلکہ ان کو ان کے مذہب پر چلنے دو۔ کچھ تعرض مت کرو۔ مثلاً شراب پینا اسلام میں حرام ہے مگر ان کے یہاں جائز ہے تو

(۱) تلوار کے زور سے۔

حکم ہے کہ ان کو شراب پینے سے مت روکو، اس کی بیع وفروخت کرنے دو۔ یا مثلاً نکاح ہے کہ ہمارے یہاں کچھ شرائط ہیں تو ان کو اس پر مجبور نہ کرو کہ ہمارے جیسا نکاح کریں۔ بلکہ جیسا ان کے یہاں رواج ہے ویسا ہی کردو۔ غرض اگر اسلام نہ لاویں تو اس ہیئت کے ساتھ جزیہ کا حکم ہے اور اگر جزیہ بھی نہ دیں تو اس وقت ان کو کمزور کرنے کے لیے نہ کہ مسلمان بنانے کے لیے شمشیر کا حکم ہے کیونکہ اب معلوم ہوگیا کہ بڑی سرکش (۱) قوم ہے، کسی بات کو مانتے ہی نہیں لہٰذا تلوار سے ان کی گردنیں پست کردو۔ اگر اسلام تلوار سے پھیلا ہوتا تو اول ہی حکم تلوار کا ہوتا۔ تیسرے درجہ میں نہ ہوتا۔ مگر یہاں تو پہلے اسلام پیش کرنا ہے۔ دوسرے درجہ میں جزیہ کا حکم سنا دینا۔ تیسرے درجہ میں تلوار کا حکم ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام اکراہ شمشیر (۲) سے نہیں پھیلا اور ایک باریک بات قابل غور ہے وہ یہ کہ اگر اسلام تلوار سے پھیلا ہوتا تو گویا لوگوں کو زبردستی سے مسلمان بنایا گیا ہوتا۔ اور جبر کا اثر بدن پر ہوتا ہے قلب پر نہیں ہوتا۔ اگر لوگ کراہۃً مسلمان ہوئے ہوتے تو ان کی یہ حالت ہونی چاہیے تھی کہ زبان سے تو اپنے آپ کو مسلمان بتلاتے اور دل سے اسلام سے ان کو نفرت ہوتی، لوگوں کے سامنے نماز روزہ کر لیتے، پیچھے نہ کرتے، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کا اثر قلوب پر ہے اور جو نیا مسلمان ہوتا ہے وہ اکثر پرانے مسلمان سے بھی اچھا ہوتا ہے۔ وہ پرانے مسلمان سے زیادہ احکام کا پابند اور زیادہ خائف اور زیادہ خاضع (۳) بالخصوص جو اس وقت مسلمان ہوتے ہیں ان کی حالت پرانے مسلمانوں سے بہت ہی اچھی نظر آتی ہے۔ بشرطیکہ کچھ علم احکام اسلام کا حاصل کرلیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ اسلام تنزل پر ہے، اس کی غلطی میں نے ظاہر کردی ہے کہ درحقیقت خود ہماری حالت تنزل پر ہے نہ کہ اسلام۔ وہ تو کامل مکمل ہے۔ اس کو تنزل کبھی نہیں ہوسکتا۔

محبت اسلام

مگر جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسلام تنزل پر ہے، وہ دیکھ لیں کہ ہم اس حالت میں بھی دیکھتے ہیں کہ ہر سال ہزاروں آدمی مسلمان ہوتے ہیں اور یہ نہیں کہ صرف غرباء ہی اسلام لاتے ہوں (جس سے یہ شبہ ہو کہ میاں اسے کھانے کمانے کو نہیں ملتا تھا اس

(۱) خودسر قوم ہے (۲) تلوار (۳) زیادہ خشوع وخضوع کرتا ہے۔

لیے مسلمان ہوگیا) بلکہ بہت سے ان میں متمول (۱) بھی ہوتے ہیں، صاحب جائیداد ہوتے ہیں، صاحب حشم خدم بھی ہوتے ہیں، بلکہ بہت سے مالدار مسلمان ہوکر مال سے دست بردار ہوجاتے ہیں۔ پہلے بہت ناز ونعم میں رہے اور اسلام لانے کے بعد قسم قسم کی تکالیف اٹھاتے ہیں۔ نہ کھانے کو ہے، نہ پہننے کو، نہ رہنے کو کوئی جگہ ہے، در در بھٹکتے پھرتے ہیں اور پھر ان تکالیف کو زبان پر بھی نہیں لاتے۔ بتلایئے یہاں جبر کس نے کیا۔ کیا جبر کی یہ صورتیں ہوتی ہیں؟ ۔ جبر کی تو یہ حالت ہوتی ہے کہ پہلی محبت بھی جاتی رہتی ہے بلکہ بجائے محبت کے عداوت (۲) ہوجاتی ہے۔ غرض اس زمانہ میں کسی کا اسلام لانا محاسن اسلامیہ کے کمال کی قوی دلیل ہے۔ کیونکہ اب کسی پر کون جبر کرتا ہے؟ کون جہاد کرتا ہے؟۔ مگر یہ بات بڑے افسوس کی ہے کہ آج جو کوئی بے چارہ مسلمان ہوتا ہے ہم لوگ اس کی خبر گیری نہیں کرتے۔ اس کی کوئی خدمت نہیں کرتے حالانکہ دنیا میں جتنی متمدن قومیں ہیں وہ سب اپنا مذہب قبول کرنے والے کی خدمت کرتے ہیں، ہر طرح سے اس کو راحت پہنچاتے ہیں جان سے بھی، مال سے بھی۔ اور ایک ہم ہیں کہ ہم اس کے لیے دو روپیہ بھی خرچ نہیں کرتے، بعض میں تو وسعت ہی نہیں لیکن اگر کسی میں وسعت بھی ہے وہ بھی نہیں دیتا۔ اور ہمارے نہ دینے کی دو وجہیں ہیں ایک اچھی ایک بری۔ بری وجہ تو یہ ہے کہ ہم میں ہمدردی نہیں ہے۔ اگر ہمدردی ہوتی تو ضرور ایسے شخص کی اعانت کرتے، یہ تو بری وجہ ہے۔ اور اچھی وجہ یہ ہے کہ اگر کوئی اسلام لایا تو اس نے ہم پر کیا احسان کیا۔ ہمارا کون سا کام کردیا، جو ہم اس کی خدمت کریں اگر مسلمان ہوئے ہیں تو اپنی خیر منانے کے لیے نہ کہ ہمارے لیے۔ دیکھو جو لوگ کوئی سرکاری امتحان دیتے ہیں، ان کو سرکار سے کچھ انعام نہیں ملتا۔ بلکہ وہ خود ہی ہزاروں مشقتیں اٹھاتے ہیں، کہیں نجی طور پر ماسٹر رکھتے ہیں۔ اس کو الگ روپیہ دینا پڑتا ہے ان کے نخرے برداشت کرنا پڑتے ہیں، راتوں مطالعہ کے لیے جاگنا پڑتا ہے۔ پھر فیس داخل کرتے ہیں تب جاکر امتحان کی منظوری ہوتی ہے۔ پاس ہونا تو الگ رہا۔ اسی طرح اسلام جب نجات آخرت کا طریقہ ہے اس کو ہم نے مفت بتلادیا تو یہ بھی ہمارا بڑا احسان

(۱) مالدار (۲) دشمنی۔

ہے، ان کا کیا احسان ہے۔ پس وہ ہمارا احسان مانیں۔ ہمیں نذرانہ دیں۔ یہ کیسی الٹی بات ہے کہ ایک تو ہم احسان کریں پھر ان کی خدمت بھی ہم پر واجب کی جاوے۔ مگر خیر یہ تو نکتے ہیں جو کسی کے ذہن میں بھی نہیں ہوتے۔ اصل سبب وہی بے تعلقی بے دردی ہے۔ تمہارے ان نکتوں میں وہ بے چارہ تو برباد ہوگیا۔ اس نے تو گھر بار چھوڑا، بال بچوں نے بھی اس کو اس حال سے نکال دیا کہ کوئی چیز اس کے پاس نہیں کھانے پینے کو کچھ نہیں۔ اتنے پیسے نہیں کہ دوسری جگہ جا کر کسی کے ہاتھ پر مسلمان ہی ہوجائے۔ ریل کا کرایہ نہیں ہے مگر دل میں ایک تیر لگا ہوا ہے وہ کہاں بیٹھنے دے بیچارہ پیدل ہی چل پڑا، کہیں فاقے گزرے، کہیں پیر میں چھالے پڑ گئے۔ غرض بیسیوں مصیبتیں اٹھا کر مسلمان ہونے کو کسی شہر میں آیا۔ اب مسلمان کے نخرے دیکھئے کہ وہ خدمت اور خاطر مدارات تو کیا کرتے۔ اب تو بعض لوگ الٹا روکتے ہیں کہ جاؤ میاں ہم مسلمان نہیں کریں گے، یہ وقت اسلام لانے کا نہیں ہے۔ اگر ہم تم کو مسلمان کریں گے تو ہندو مسلم اتحاد میں خلل پڑے گا۔ ہمارا اتفاق بگڑ جاوے گا۔ بھائی اتحاد کیوں بگڑتا، آخر ہمیشہ سے دونوں قومیں بستی آئی ہیں اور ہر ایک اپنے اپنے مذہب کی خدمت کرتا رہا ہے کبھی لڑائی جھگڑا نہ ہوا۔ بلکہ پرانے لوگوں میں اتحاد زیادہ تھا۔ ہر شخص اپنے پڑوسی کی زیادہ ہمدردی کرتا تھا۔ اس کو راحت پہنچاتا تھا۔ مگر اب دونوں قوموں کی نئی امت میں چھری کٹار چلنے لگے وہ اس کے مارنے کی فکر میں ہے۔ یہ اس کا گلا کاٹنے کو آمادہ ہے۔ پرانے لوگوں میں دعویٰ نہ تھا مگر کام کرتے تھے۔ زبان سے اتحاد واتفاق نہیں رٹتے تھے، مگر دل میں محبت موانست تھی۔ اور اب زبان سے تو بڑے لمبے چوڑے دعوے کئے جاتے ہیں اور دل میں کچھ نہیں۔ انجمنیں قائم ہوں گی اور قوانین بہت سے ایجاد کریں گے مگر عمل ایک پر نہیں۔ چنانچہ انہیں قوانین وضوابط میں سے ایک ضابطہ یہ بھی ہے کہ اب کسی ہندو کو مسلمان نہ کرو، اس سے اتحاد بگڑے گا، ہندو بھائی ناراض ہوجائیں گے۔ افسوس ہے کہ ہندوؤں کی ناراضی کا تو خیال ہو، مگر اللہ میاں کی ناراضی کی پرواہ نہ ہوئی۔ انہوں نے تو انکار کر دیا مگر اس کو کہاں صبر ہو، اس کے دل میں تو ایک ایسا نشتر لگا ہے کہ اس کو دن رات چین نہیں ہے۔ مارا مارا پھرتا ہے، ایک جگہ مطلب حاصل نہ ہوا دوسری جگہ گیا۔

آخر کوئی اللہ کا بندہ ایسا بھی مل گیا، جس نے ان مصالح کی پرواہ بھی نہ کی بلکہ

ان مصالح کو سل بٹہ سے خوب پیس دیا، اور اس کو مسلمان کیا۔ اب جو مسلمان ہوا تو بے چارے کے پاس کھانے کو نہیں، پہننے کو نہیں۔ انہوں نے کہا ہم ایک رقعہ لکھ دیں گے۔ تم مسلمانوں کے پاس لے جانا، وہ تمہاری مدد کریں گے۔ اب وہ بیچارہ کاغذ لے کر در در مارا پھرتا ہے مگر کوئی نہیں پوچھتا۔ فاقے گزرتے ہیں طرح طرح کی تکلیفیں گزرتی ہیں۔ کیوں صاحب اگر اس کے دل میں محبت اسلام نہ ہوتی تو وہ اتنی تکالیف کیوں اٹھاتا کیا کسی کو مصائب اٹھانے میں بھی مزا آتا ہے، ہرگز نہیں۔ معلوم ہوا اس کے دل میں اسلام کی محبت ہے۔ اسلام کے محاسن اس کے دل میں جم گئے ہیں۔ اس لیے سب کلفتیں گوارا ہیں۔ اور وہ ایسا پختہ ہے کہ پرانے مسلمان بھی اس کی حالت دیکھ کر شرماتے ہیں۔

ایک نومسلم کا حال

میں جب کانپور میں تھا ایک روز ایک نوجوان نہایت خوبصورت جس کے چہرے سے آثار خشوع نمایاں تھے۔ میرے پاس آکر بیٹھا، میں نے پوچھا آپ کس کے لیے آئے ہیں۔ کہنے لگا مسلمان ہونے کو آیا ہوں مجھے مسلمان کر لیجئے۔ میں نے کہا بسم اللہ! آیئے، چنانچہ وہ مسلمان ہوگیا۔ مسلمان ہوتے ہی اس کی یہ حالت ہوگئی کہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ خدا کا عاشق ہے، وہ انوار و برکات اس کو نصیب ہوئے کہ ہر وقت روتا تھا۔ سوائے رونے کے کوئی کام نہ تھا۔ مگر افلاس کا رونا نہیں، فقر و فاقہ کی وجہ سے نہیں روتا تھا، بلکہ اخلاص کا رونا تھا، خدا تعالیٰ کے جوش محبت میں روتا تھا، اس کو پڑھنے کے واسطے ایک سپارہ اور ایک رسالہ راہ نجات میں نے دیدیا، بس اب یہ حال تھا کہ سپارہ پڑھ رہا ہے اور رو رہا ہے، راہ نجات سامنے ہے اور آنسو جاری ہیں اور جو کھانا کپڑا کہیں سے مل جاتا ہے تو وہ اوروں کو دے دیتا اپنے واسطے کوئی ذخیرہ نہیں رکھتا تھا، اور اس سے بڑھ کر تعجب یہ کہ ایک دفعہ اس نے آٹھ دن کے روزے پے در پے بدون افطار کے رکھے، تین چار روز کے بعد میں نے اس کو بہت لاغر دیکھا، کیونکہ وہ بہت ضعیف تھا، کبھی اس نے مشقت اٹھائی نہ تھی، ہمیشہ ناز و نعم میں رہا تھا اس لیے لاغر ہوگیا۔ میں نے پوچھا کہ تم اتنے لاغر کیوں ہوتے جارہے ہو، کہنے لگا کہ میں نے آٹھ دن کا ایک روزہ رکھ لیا ہے، میں نے کہا ایسا روزہ ہماری شریعت میں جائز نہیں ہے، اگر روزہ رکھنے کو جی چاہے تو ایسا

کرو کہ ایک دن کا روزہ رکھو، اور اگلے دن مت رکھو، پھر اس سے اگلے روز رکھ لیا۔ غرض ایک روز کھانا اور ایک روز روزہ رکھنا یہ سب سے بہتر ہے۔ اس کو صوم داؤدی کہتے ہیں، پھر اس کو مولانا شاہ فضل الرحمن صاحبؒ گنج مراد آبادی کی زیارت کا شوق ہوا۔ وہاں پیدل گیا، سواری نہ کی، حالانکہ بہت نازک تھے کبھی چلنے کی اسے عادت ہی نہ تھی مگر مولانا کی ملاقات کو پیدل گیا۔ یہ خیال ہوا کہ سوار ہوکر جانا کہیں ادب کے خلاف نہ ہو۔ بیچارہ کے پاؤں میں چھالے پڑ گئے مگر اس کو برداشت کیا اور سوار نہ ہوا۔ پھر اس کو شوق حج کا ہوا اور بھوپال چلا گیا۔ یہاں تک تو مجھے اس کا حال معلوم ہے آگے کی خبر نہیں کہ مکہ پہنچا یا نہیں۔ فرمایئے اگر اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے تو یہاں اس کو کون سی تلوار نے مجبور کیا تھا؟ کس نے اس کو اتنے مصائب کا مکلّف کیا تھا؟ اپنے عیش وعشرت کو چھوڑ کر اس نے کیوں اتنی تکالیف کو اختیار کیا ہے۔

نورِ اسلام

اگر کشش اسلام نہیں تو کیا ہے۔ آخر کس چیز کو دیکھ کر اس نے سارے تنعّمات (۱) پر خاک ڈالی۔ کس چیز نے اس کو بے چین کیا، اگر حسن اسلام اس کا سبب نہیں تو اور کیا ہے؟ مگر وہ حسن، افعال شنیعہ (۲) سے مستور ہوگیا۔ ورنہ اگر ہماری حالت اچھی ہوتی تو ہم پورے مسلمان ہوتے تو لوگ ہماری طرف خود ہی آتے۔ ہمیں دعوت اسلام کی بھی ضرورت نہ ہوتی اور نہ لڑائی جھگڑے کی نوبت آتی۔ میں بعض دفعہ سفر کرتا ہوں اور اپنے دوست احباب بھی ساتھ ہوتے ہیں، تو ان سے باتیں کرتا ہوں، جس میں ہر طرح کی باتیں ہوتی ہیں کھانے پینے کی بھی قصے کہانیاں بھی ہوتے ہیں اور مسائل تصوف کی بھی کبھی تحقیق ہوتی ہے۔ غرض ہر قسم کی باتیں دنیا کی بھی دین کی بھی، صرف علوم ومعارف ہی کا تذکرہ نہیں ہوتا۔ مگر کفار پر اس کا اثر دیکھتا ہوں کہ جتنے آدمی آس پاس ہوتے ہیں سب ادھر متوجہ ہوجاتے ہیں، اچھی طرح کان لگا کر سنتے ہیں اور جب اتر جاتا ہوں تو وہی لوگ کہتے ہیں (جن کے ساتھ نہ جان پہچان تھی نہ کبھی ملاقات ہوئی) کہ میاں ان کو کہاں لے چلے ان کی وجہ سے تو یہاں نور برس رہا تھا، سارے کمرہ میں اجالا ہوگیا تھا۔ آخر یہاں کون چیز ان کے قلوب کو کھینچتی تھی۔ میں انہیں کچھ لپٹتا نہیں نہ

(۱) ساری نعمتوں کو ترک کیا (۲) برے افعال سے چھپ گیا۔

میں نے ان کی طرف کچھ توجہ کی۔ اگر یہ نور اسلام نہیں تو اور کیا ہے؟ اسلام کی یہ خوبی ہے کہ وہ از خود کشش کرتا ہے۔ اسلام ایسا دلکش ہے کہ غیر کو بھی اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ میں بقسم کہتا ہوں کہ اگر ہم اپنی حالت درست کرلیں تو اسلام کی خوبیاں اس طرح ظاہر ہوں کہ جس کا بیان نہیں ہوسکتا۔ پس اپنی اصلاح سے علاوہ اپنی اندرونی حفاظت کے دوسروں کے جذب(۱) کا بھی نفع ہوگا۔ صاحبو! اگر اندرونی محافظت ہوگئی تو پھر بیرونی حملوں کی فکر نہ رہے گی۔ اس لیے مبلغ کو چاہیے کہ دو باتیں اپنے اندر پیدا کرلے بس کافی ہے۔ ایک یہ کہ طمع نہ کرے حرص اور طمع بہت بری چیز ہے، دوسری یہ کہ اپنی حالت اچھی کرلے، اپنے کو شرع کے مطابق بنائے۔ ہر کام کو خدا کے خوف سے کرے اور یہ دیکھے کہ یہ شریعت کے موافق ہے، یا نہیں، اس سے خداوند کریم ناراض تو نہ ہوں گے۔ دوسروں کو جذب کرنے پر ایک قصہ یاد آ گیا۔ ایک مرتبہ میں سہارنپور جارہا تھا، اس گاڑی میں کچھ ہندو آریہ انگریزی خواں بھی تھے، میں اپنے احباب سے معمولی باتیں کررہا تھا۔ میرے رفقاء نے بیان کیا کہ یہ ہندو آپس میں کہہ رہے تھے، معلوم نہیں کہ دیکھو ان کی باتوں کی طرف دل کیوں کھنچتا ہے تو دوسرا کہتا ہے کہ میاں سچے ہونے کی یہی نشانی ہے، یہ لوگ سچے ہیں، اس لیے ادھر دل کھنچتا چلا جاتا ہے۔ اب فرمایئے کہ نہ میں نے ان سے باتیں کیں نہ میں ان کے ساتھ کوئی خاص اخلاق سے پیش آیا تھا تاکہ یہ خیال ہوتا کہ اخلاق سے مسخر ہوگئے ہوں گے۔ پھر ان کو کس چیز نے مسخر کیا اگر اس کا سبب حسن اسلام نہیں تو اور کیا ہے۔ صاحبو! یہ وہی اسلام کی کشش ہے وہی اسلام کا نور ہے۔ اسلام کی تو وہ شان ہے۔

زفرق تابقدم ہر کجا کہ مینگرم کرشمہ دامن میکشد کہ جا اینجا است(۲)

اسلام اول سے آخر تک نور ہی نور ہے۔ اس کی جس ادا کو دیکھو دلکش ہے، جس حکم کو دیکھو دلربا ہے۔

نوٹ: اس وعظ کا بقیہ حصہ اگلے شمارے میں چھپے گا جس کی ابتدا اس عنوان سے ہورہی ہے (اسلام کی ادنیٰ جھلک)

(۱) دوسرے بھی کھنچے آئیں گے (۲) ''سر سے قدم تک جس جگہ دیکھتا ہوں کرشمہ دامن دل کو کھینچتا ہے کہ یہی جگہ محبوب کی ہے''۔

أخبار الجامعة

محمد منیب صدیقی

ادارۃ أشرف التحقیق۔ جامعہ دار العلوم الاسلامیۃ۔ لاھور

۱۔ حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے گذشتہ ماہ جامعہ خیر المدارس ملتان کی مجلس شوریٰ کے اجلاس میں شرکت کی، دوران مجلس جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ لاہور کا نصاب تعلیم بھی زیر بحث آیا کہ کس طرح دینی مدارس اپنی دینی تعلیم کے ساتھ عصری تعلیم کا انتظام واہتمام احسن طریقہ سے کر سکتے ہیں۔

۲۔ اللہ رب العزت کے فضل وکرم سے کرونا کی صورت حال میں بہتری آئی ہے اور تعلیمی اداروں کی رونق بحال ہوگئی ہے۔الحمد للہ جامعہ میں بھی مکمل SOPs کے ساتھ حکومتی احکامات کو پیش نظر رکھتے ہوئے تعلیمی سرگرمیوں کا آغاز کر دیا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ جامعہ کی اس رونق کو بحال رکھے اور ہر قسم کی وباء و پریشانی سے محفوظ فرمائے۔

۳۔ جامعہ سے شائع ہونے والے حضرت مولانا مشرف علی تھانوی صاحبؒ کے مواعظ عوام وخواص نے بہت پسند کئے اور اب مستقل جامعہ سے شائع ہو رہے ہیں، اب تک ۲۷ مواعظ طبع ہو چکے ہیں لہٰذا حضرت قاری احمد میاں تھانوی صاحب کے حکم پر ایک اہم فیصلہ کیا گیا ہے کہ آئندہ ماہ سے اہل محلہ (اقبال ٹاؤن) کے گھر پر حضرت مولانا مشرف علی تھانویؒ کے وعظ کی باقاعدہ ترسیل کی جائے گی ان شاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ جامعہ کے اکابرین کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول ومنظور فرمائے۔

۴۔ جامعہ کے 81 طلباء نے میٹرک کا امتحان دیا جن میں سے 57 سائنس اور 24 آرٹس گروپ کے تھے، بحمد اللہ تعالیٰ ان میں سے اکثر طلباء نے نمایاں نمبروں سے کامیابی حاصل کی ۔مجموعی طور پر جامعہ کا رزلٹ 80% رہا۔ان طلباء نے میٹرک کے ساتھ تجوید ودرس نظامی کی ابتدائی تعلیم بھی حاصل کی۔